Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

جلد 14/ شمارہ 10/ مئی 2025

ماہنامہ فہمِ دین

کاری ضرب ہماری

غصہ اور صبر

کامیابی کی کنجی

جزا و سزا

ہم سپاہی وطن کے جاں باز ہیں

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM TECH PARK

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

فری آئی ٹی کورسز

FREE IT COURSES

WHATSAPP: **+92 333 0189367**

EMAIL: **techpark@baitussalam.org** WEBSITE: **baitussalam.org/tech-park**

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

مئی 2025

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر: قاری عبدالرحمن
نظرِ ثانی: طارق محمود
تزئین و آرائش: فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
+92 335 1135011

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹر
مقامِ اشاعت: دفتر فہمِ دین

فہم و فکر

کامیابی کی کنجی — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہمِ حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

طمانیت کی تلاش — رابعہ فاطمہ — 10
بیمار ہے زندگی — حفصہ فیصل — 11
غصہ اور صبر — حفصہ سلطان — 14
عدل و انصاف — حکیم شمیم احمد — 15
مسائل پوچھیے اور سیکھیے — مفتی محمد توحید — 16
دینِ اسلام اور سادگی — عذرا خالد — 17

خواتینِ اسلام

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے — ام محمد سلمان — 19
محبت اور ایمان کی جستجو — حنا نور — 20
زندگی اور زنجیریں — شمائلہ شکیل — 23
بلاعنوان — بیگم نازیہ شعیب — 24
پانچ انگلیاں — محمد افضل — 27
توکل — مہوش اسد شیخ — 28
نعمتوں کا زوال — افشاں اقبال — 29
گرداب — راحیلہ خان — 30
صحیح سمت — تنزیلہ احمد — 31
اٹھو بیٹا آنکھیں کھولو! — انیسہ عائش — 32

باغچہ اطفال

ایثار — بانیہ عبدالشکور — 35
چھوٹی ملکہ — قانتہ رابعہ — 36
آنکھوں کی ٹھنڈک — ثمرین رفیق — 37
میں اور میری کتابیں — اشمل تسلیم — 37
جو چاہو وہ مانگو — فاکہہ قمر — 38
درخت کی پریشانی — آسیہ فاطمہ — 39
ناشکرا بھالو — شرم فاروق ضیا — 39

بزمِ ادب

مٹی میں ملا دیں گے، تجھے دھول چٹا دیں گے — حافظہ وسطی چودھری — 42
ہم سپاہی وطن کے جاں باز ہیں — حافظہ سویرا چودھری — 43

اخبار السلام

اخبار السلام — ادارہ — 50

مدیر کے قلم سے

کامیابی کی کنجی

متحدہ ہندوستان کی تقسیم دو قومی نظریے پر ہوئی تھی، چناں چہ تقسیم کے بعد ایک حصے کا نام پاکستان قرار پایا اور دوسرا ہندوستان کہلایا۔ پاکستان کا قیام کلمہ طیبّہ یعنی اسلام کی بنیاد پر ہوا جب کہ ہندوازم پڑوسی ملک کی وجہِ تاسیس ٹھہری۔ ایک طرف دنیا بھر کے یہودی ایک خطے میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ صف آرا ہوئے اور دوسری طرف ہندوازم کی بنیاد پر بننے والا ملک اسلام دشمنی کے رنگ دکھانے لگا۔ یہود و ہنود کی یہ جوڑی آج تک ہم پیالہ و ہم نوالہ بنی ہوئی ہے اور مسلمانوں کا لہو پی رہی ہے۔ اگرچہ پاکستان کو ایک دو کے علاوہ ایسے حکم ران نصیب نہیں ہوئے جو نظریہ پاکستان کی بنیاد پر ملک و ملت کی خدمت کرتے، کچھ تو صرف اپنے کھانے پینے، عیش کرنے، جائیدادیں بنانے میں لگے رہے اور کچھ ان بدبخت یہود و ہنود کے لیے آلہ کار بن کر خدمات انجام دیتے اور اپنے وطن کی جڑیں کاٹتے رہے، لیکن پھر بھی علمائے کرام اور ان کے سچے پیروکار نظریہ پاکستان کے محافظ بنے رہے۔ اگرچہ اس مملکت میں اسلام نافذ نہیں کیا جاسکا اور نہ نظامِ عدل و انصاف اور نظامِ معیشت اسلامی تعلیمات کے مطابق تشکیل پاسکے، لیکن سر دھڑ کی بازی لگانے والے علما و صلحائے امت نے کفر کو کھیل کھیلنے کا موقع بھی نہیں دیا، نیز افواجِ پاکستان کا نظریہ بھی عموماً قابلِ رشک اور لائقِ تحسین رہا، یوں اسلام پاکستان کا قلعہ کہا ہی نہیں، سمجھا بھی جاتا رہا۔

گویا کفر کے سامنے پاکستانی نظریے اور سوچ کے پرچار کا عَلم علمائے کرام اور افواجِ پاکستان کے ہاتھوں بلند رہا، اسی لیے کفر نے علما و فوج سے عوام کا اعتماد مجروح کرنے اور بھروسا توڑنے کے لیے مختلف سمتوں سے ریشہ دوانیاں جاری رکھیں، تاکہ علما متحد نہ ہوسکیں، فوج کم زور ہو جائے اور اس طرح کفریہ طاقتوں کو کھیل کھیلنے کا موقع مل سکے، چناں چہ ایک طرف قوم پرستوں کو ان کے حقوق کا درس دیا گیا۔ آغازِ پاکستان کے ساتھ ہی قوم اور زبان کی بنیاد پر نفرت کا بیج بودیا گیا، اس لیے کہ قومیت کا بُت جب تشکیل پاجاتا ہے تو اچھے اچھوں کی سوچ ڈگمگا جاتی ہے۔ علما و صلحا کو کم زور کرنے کے لیے مسلک کی بنیاد پر مسلمانوں کے درمیان نفرت کی دیواریں کھڑی کرنے اور انھیں مضبوط بنانے کا عمل جاری رہا، اس لیے کہ مسلمان اگر مذہب کی بنیاد پر جمع ہو جائیں تو قومیت اور لسانیت کے بُت بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، جب مذہبی اور لسانی تقسیم کے باوجود قوم متحد رہی اور ہر مشکل وقت میں علما بھی متحد ہوتے رہے اور افواجِ پاکستان بھی اتحاد کی علامت بنی رہیں تو پھر سیاسی نفرت کا بیج بویا گیا۔

مذہبی اور مسلکی تقسیم سے نظریہ پاکستان کے محافظین کو کم زور کیا گیا۔ لسانیت اور قومیت کی تقسیم سے عام مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور سیاسی جھگڑے پیدا کر کے حکم ران اور سیاست دانوں کو ایک دوسرے سے گتھم گتھا کیا گیا۔ افواجِ پاکستان پوری قوم کو متحد رکھنے کا ایسا ذریعہ تھیں جو دشمن کی نظروں میں کھٹکتا رہا۔ سیاست دان جب جب ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوئے اور کوئی راستہ ملک و ملت کی حفاظت و سلامتی کا باقی نہ رہا تو افواجِ پاکستان نے اپنی ذمے داری پوری کی اور بکھرتے شیرازے کو جمع کیا۔ اس لیے ان پر حکومتیں ہتھیانے نے تخت گرانے کا الزام لگایا گیا اور جب بار بار ایسا ہونے لگا تو سیاسی بازی گروں نے اپنی کم زوری چھپانے کے لیے عوام کو کسی نہ کسی رنگ میں افواجِ پاکستان کے خلاف بھڑکایا۔ سیاسی بازی گر تو محض اپنی اہمیت جتلانے اور سیاسی قوت حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتے رہے، لیکن در اصل یہ دنیائے کفر کا بویا ہوا بیج تھا، جسے سیاسی پارٹیوں اور لیڈروں نے پانی دیا اور آج سیاسی عدمِ استحکام سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔

ہندوستان جو روزِ ازل سے اسلام اور پاکستان دشمنی میں پیش پیش رہا، یہودیوں کے ساتھ مل کر پاکستان کو مٹانے کا نہ صرف خواب دیکھتا رہا بلکہ اس خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لیے پاکستان کو ہر لحاظ سے کم زور کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہا، تاکہ جب پاکستان ہر لحاظ سے کم زور ہو جائے تو اس کو نوالہ بنالیا جائے۔ اس مقصد کے حصول اور اپنی محنت کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے ہر کچھ عرصے بعد اسے پاکستان سے مڈبھیڑ ہونے کا شوق چراتا ہے۔ آج کل پھر ہندوستان پر یہ بھوت سوار ہے، اسے اسرائیل کی شہ بھی مجبور کر رہی ہے اور اس کی اپنی اسلام دشمنی بھی اسے برانگیختہ کر رہی ہے، چناں چہ جنگ کا ماحول بنانے اور مختلف طریقوں سے حملہ آور ہونے کے مشن پر عمل پیرا ہے۔ کھلی جنگ کی بجائے ملک میں دہشت گردی، آبی جارحیت جاری رکھے ہوئے ہے، لیکن الحمد للہ! ہمیشہ کی طرح پاکستانی قوم ایک لڑی میں پروئے جانے کے عمل سے گزر رہی ہے اور جب پوری قوم یک جان ہو گی تو دنیا ہمارے دشمن کی ایسی تیسی ہوتی دیکھے گی، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام اور نظریہ پاکستان سے انحراف نہ ہو۔ علما و صلحائے امت پر بھی اعتماد و بھروسا باقی رہے اور افواجِ پاکستان پر بھی۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔۔۔!!

یکم ذی قعدہ ۱۴۴۶ھ / ۲۹ اپریل ۲۰۲۵

فہمِ قرآن

الانعام 75-70

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ
بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيعٌ وَ إِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا
أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ أُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ 70

ترجمہ: اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعے (لوگوں کو نصیحت کرتے رہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب اس طرح گرفتار ہو جائے کہ اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لیے نہ کوئی اُس کا یار و مددگار بن سکے نہ سفارشی اور اگر وہ (اپنی رہائی کے لیے) ہر طرح کا فدیہ بھی پیش کرنا چاہے تو اُس سے وہ قبول نہ کیا جائے۔ (چناں چہ) یہی (دین کو کھیل تماشا بنانے والے) وہ لوگ ہیں جو اپنے کیے کی بدولت گرفتار ہو گئے ہیں، چوں کہ انھوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اس لیے اُن کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب اور ایک دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ 70

تشریح نمبر1: اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس دین کو انھیں اپنانا چاہیے تھا، (یعنی اسلام) اُس کو قبول کرنے کے بجائے وہ اُس کا مذاق بناتے ہیں اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جو دین انھوں نے اختیار کر رکھا ہے، وہ کھیل تماشے جیسی بے بنیاد رسموں پر مشتمل ہے اور دونوں صورتوں میں ان لوگوں کو چھوڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے کہ اُن کی اس قسم کی گفتگو میں اُن کے ساتھ مت بیٹھو، جس میں وہ اللہ کی آیات کو استہزا کا نشانہ بناتے ہوں۔

قُلْ أَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَايَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْهَدٰنَا اللّٰهُ
كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْأَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ أَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ
اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 71

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ان سے کہو: "کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکاریں جو ہمیں نہ کوئی فائدہ پہنچ سکتی ہیں نہ نقصان اور جب اللہ ہمیں ہدایت دے چکا ہے تو کیا اس کے بعد بھی ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ (اور) اُس شخص کی طرح (ہو جائیں) جسے شیطان بہکا کر صحرا میں لے گئے ہوں اور وہ حیرانی کے عالم میں بھٹکتا پھرتا ہو، اُس کے کچھ ساتھی ہوں جو اُسے ٹھیک راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ جاؤ؟" کہو کہ "اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی صحیح معنی میں ہدایت ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ربُّ العالمین کے آگے جھک جائیں۔" 71

وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِي
إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ 72

ترجمہ: اور یہ (حکم دیا گیا ہے) کہ: نماز قائم کرو اور اُس (کی نافرمانی) سے ڈرتے رہو اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔ 72

تشریح نمبر2: یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک برحق مقصد سے پیدا کیا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ یہاں اچھے کام کریں، انھیں انعام سے نوازا جائے اور جو لوگ بدکار اور ظالم ہوں، انھیں سزا دی جائے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو، جس میں جزا اور سزا کا یہ مقصد پورا ہو اور آگے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس مقصد کے لیے قیامت میں لوگوں کو دوبارہ زندگی دینا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ جب وہ چاہے گا تو قیامت کو وجود میں آنے کا حکم دے گا اور وہ وجود میں آ جائے گی اور چوں کہ وہ غائب و حاضر ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، اس لیے لوگوں کو مرنے کے بعد اکٹھا کرنا بھی اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ البتہ چوں کہ وہ حکمت والا ہے، اس لیے وہ اس وقت قیامت قائم فرمائے گا جب اس کی حکمت کا تقاضا ہو گا۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ
الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ 73

ترجمہ: اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جس دن وہ (روزِ قیامت سے) کہے گا کہ "تو ہو جا" تو وہ ہو جائے گا۔ اُس کا قول برحق ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اُس دن بادشاہی اُسی کی ہو گی، وہ غائب و حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے اور وہی بڑی حکمت والا، پوری طرح باخبر ہے۔ 73

تشریح نمبر3: اگرچہ دنیا میں بھی حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، لیکن یہاں ظاہری طور پر بہت سے حکمران مختلف ملکوں پر حکومت کرتے ہیں، لیکن صور پھونکے جانے کے بعد یہ ظاہری حکومتیں بھی ختم ہو جائیں گی اور ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہو گی۔

وَ إِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّىْٓ اَرٰكَ وَقَوْمَكَ
فِىْ ضَلَالٍ مُّبِينٍ 74

ترجمہ: اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کہ "کیا آپ بتوں کو خدا بنائے بیٹھے ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔" 74

وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ 75

ترجمہ: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے اور مقصد یہ تھا کہ وہ مکمل یقین رکھنے والوں میں شامل ہوں۔ 75

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

فہم حدیث

امامت کا اہل

دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدّم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے، جو جسمِ انسانی میں قلب کا ہے، اس لیے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری اور رسول اللہ ﷺ کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لیے زیادہ اہل اور موزوں ہو اور وہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ سے نسبۃً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو اور آپ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو اور چوں کہ آپ کی وراثت میں اوّل اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لیے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اس کے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اس سے پیچھے ہوں گے، آپ کی اس نیابت یعنی امامت کے لیے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چوں کہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے، اس لیے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے سے ہوں تو پھر جو کوئی ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسنِ اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا، امامت کے لیے وہ لائقِ ترجیح ہوگا اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی سی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیوں کہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلم فضیلت ہے۔

بہر حال! امامت کے لیے یہ اصولی ترتیب عقلِ سلیم کے بالکل مطابق مقتضائے حکمت ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وہدایت ہے۔

اپنے میں سے بہتر کو امام بنایا جائے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بِنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ

رواه الدارقطني والبيهقي (كنز العمال)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں، ان کو اپنا امام بناؤ، کیوں کہ تمہارے رب اور مالک کے حضور میں وہ تمہارے نمائندے ہوتے ہیں۔“ (دارِ قطنی، بیہقی)

تشریح: یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے، اس لیے خود جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم اور مقدّس مقصد کے لیے اپنے میں سے بہترین آدمی کو منتخب کرے۔

رسول اللہ ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے خود امامت فرماتے رہے اور مرضِ وفات میں جب معذور ہو گئے تو علم و عمل کے لحاظ سے امت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے نامزد اور مامور فرمایا۔

امام کی ذمہ داری اور مسئولیت

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللهَ وَلِيَعْلَمْ أَنَّهٗ ضَامِنٌ مَسْئُوْلٌ لِمَا ضَمِنَ وَإِنْ أَحْسَنَ كَانَ لَهٗ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْأً وَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ۔ رواه الطبراني في الاوسط (كنز العمال)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص جماعت کی امامت کرے اس کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ مقتدیوں کی نماز کا بھی ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہوگا، اگر اس نے اچھی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہوگا اس کا بوجھ تنہا امام پر ہوگا۔“ (معجم اوسط للطبرانی)

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

وقت کے ساتھ سب بدل جاتا ہے،

لیکن وہ گزرے دن اور خالص ذائقے، آج بھی یاد دلاتا ہے، شنگریلا اچار

گھر جیسا اچار چٹخارے دار...

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

جزا و سزا

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

کسی ملک میں سزا اور جزا کا قانون نہ رہے، سزا اور جزا کا قانون پامال ہو تو وہاں لا قانونیت ہوتی ہے۔ سزا اور جزا کا قانون نہ ہو تو جرائم بڑھتے ہیں، امن وامان تہ و بالا ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص کی جان، مال، عزت، آبرو خطرے میں رہتی ہے۔

ہم نے شاید کبھی غور نہیں کیا مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ مسلمان کو حکم ہے کہ اس آیت کو پڑھو! اس آیت کو سنو! تاکہ تمہیں خیال رہے کہ ایک دن ہے جزا اور سزا کا! اگر مالکِ کائنات کے اس قانون کو تم نے فراموش کر دیا تو یہ دنیا فساد زدہ ہو جائے گی۔ کسی کے حقوق کا تحفظ نہ رہے گا۔ دنیاوی حکمرانوں کے قانون کی ایک حد ہے، جہاں تک ان کی نظر جاتی ہے، پھر وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ بسا اوقات خود قوانین عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتا، لیکن اللہ کا قانون جزا اور سزا کا، اگر اس پر اعتماد اور یقین آ جائے تو تنہائیاں اور خلوت بھی خیانت سے محفوظ ہو جائیں، کسی کے حقوق کی پامالی سے محفوظ ہو جائیں۔۔۔

جس کی لاٹھی اس کی بھینس! یہ ماحول اسی وقت بنتا ہے جب سزا اور جزا کے قانون کو فراموش کر دیا جائے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مسلمان اسے بار بار پڑھتے ہیں اور حکم ہے کہ پڑھیں، دن میں کئی بار اسے پڑھتے ہیں اور کئی بار اسے سنتے ہیں غور نہیں کرتے یہ کیا یقین دہانی ہے اور یہ کیا ذہن سازی ہے اور کون سا یہ یقین ہے اور کس چیز پر ایمان ہے اور انسانی تربیت میں انسانی معاشرے اور سوسائٹی کی تعمیر میں اس اصول کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ایک دن ہے سزا اور جزا کا اور وہ دن کل بھی آ سکتا ہے، رات کو بھی آ سکتا ہے، صبح بھی آ سکتا ہے۔ مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "جو مر گیا اس کا قانون سزا اور جزا تو شروع ہو گی۔" موت بھی نیک اور بد کی ایک جیسی نہیں ہوتی، فرماں بردار اور نافرمان کی ایک جیسی نہیں ہوتی، ظالم اور مظلوم کی ایک جیسی نہیں ہوتی، نمازی اور بے نمازی کی موت بھی ایک جیسی نہیں ہوتی، حلال کھانے والا اور حرام کھانے والا دونوں کا مرنا ایک جیسا نہیں ہوتا، قانون جزا اور سزا کا یہ ایسا یقین ہے، یہ ایک ایسی طاقت ہے، جو انسانی زندگی میں شائستگی پیدا کرتی ہے۔ عدل وانصاف پیدا کرتی ہے۔ انسان کی پوری زندگی پر یہ عقیدہ اثر انداز ہوتا ہے۔ جزا اور سزا کا قانون کسی گھر میں نہ ہو، کسی دفتر میں نہ ہو، کسی فیکٹری میں نہ ہو، کیا حال ہوگا اس فیکٹری اور کارخانے کا۔۔۔؟ کوئی جزا اور سزا کسی ملک میں نہ ہو تو کیسی بدامنی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات میں پوری دنیا کا حاکم ہے۔ اس نے قانون رکھا ہے جزا اور سزا کا، اگر اس قانون کو فراموش کر دیا اس انسان کی ہلاکت ہے۔ یہ انسانیت سے گر کر درندہ بنتا ہے، حیوان بنتا ہے، ظالم بنتا ہے، عدل وانصاف کا یہ قانون اب میری زندگی میں کب شروع ہو جائے۔۔۔ پتا کوئی نہیں؟؟ بس ایک جھونکے کی دیر ہے، زندگی پانی کا بلبلہ ہے، کب پھٹ جائے۔۔ فضا میں رکھا چراغ ہے، ایک جھونکے کی دیر ہے۔

یہ دنیا امتحان ہال ہے اور امتحان ہال میں فیل ہونے والا بھی پنکھے کی ہوا لیتا ہے، نشست پہ بیٹھتا ہے، پانی اسے بھی مل جاتا ہے۔ پاس ہونے والے کو بھی مل جاتا ہے۔ یہ دنیا امتحان ہال ہے، یہاں ظالم بھی کھاتا ہے، مظلوم کو بھی مل جاتا ہے۔ یہاں کوئی گاڑی پہ آتا ہے، کوئی سائیکل پر آتا ہے، گاڑی پر آنے والا خوش نصیب نہیں، کامیاب نہیں، کوٹھی اور بنگلے میں رہنے والا کامیاب نہیں۔۔۔ یہ امتحان ہال ہے۔ کسی کے کپڑے پرانے ہوتے ہیں، کوئی پھٹے پرانے رکھتا ہے۔ کوئی بغیر ناشتے کے آتا ہے اور کوئی شاندار ناشتہ کر کے آتا ہے۔ امتحان ہال ہے، نتیجہ جب پتا لگے گا جزا اور سزا کا قانون آنکھ بند ہونے کے بعد پتا چلے گا۔۔۔ پتا چلے گا کون خوش نصیب ہے؟ کون کامیاب ہے؟ کس کے نصیب اچھے، کون عقلمند، کون دوراندیش، کس کی زندگی کے فیصلے اچھے رہے۔۔۔ دنیا نہیں ہے، یہ امتحان ہال ہے، یہاں ظالم کے پاس بھی ہے، مجرم کے پاس بھی ہے، حرام کھانے والے کی بھی ٹھاٹھ ہوتی ہے۔ یہ امتحان ہال ہے، یہ اس کائنات کے رب کا جزا اور سزا کا پورا قانون، اس کا نفاذ، آنکھیں بند ہونے کے بعد۔۔۔ وہاں ایسا نہیں ہو گا۔

وَ امْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اے مجرمو! آج میرے فرماں بردار بندوں سے الگ ہو جاؤ۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ایک بانمازی، ایک بے نمازی، ایک حلال چن، چن کے کھانے والا، ایک حرام کی زندگی گزارنے والا۔ تمہارا خیال یہ ہے کہ دونوں کا مرنا جینا ایک جیسا ہو گا۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ بڑا غلط فیصلہ کرتے ہو۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کیا ہم فرماں بردار اور نافرمان کے ساتھ ایک جیسا سلوک کریں گے؟ نہ نہ اللہ کا جزا اور سزا کا قانون

ہے۔ وہاں سفارش نہیں، وہاں لے دے کی بات نہیں چلے گی، وہاں مظلوم کو ظالم کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا، وہاں انصاف ہے۔ یہ اللہ کا ایک قانون ہے جزا اور سزا کا مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ایک قانون ہے اور جب زمین میں اس قانون پر عمل کرنے والے موجود تھے اور ان کے ہاتھوں میں دنیا کا نظام تھا، پوری دنیا میں سلامتی ہی سلامتی امن ہی امن تھا۔ اس دنیا کے امن اور سلامتی کی بنیاد اس جزا اور سزا کے قانون پر یقین اور ایمان پر ہے مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کچھ پتا نہیں اور وہ جزا اور سزا کا قانون کب شروع ہو جائے۔۔۔

مسلمانوں کے تو یہ ایمان کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کے دین کی بنیاد ہی اس پر ہے، مسلمانوں کی دینی زندگی کی عمارت ہی اس پر کھڑی ہے، لیکن آج کے مسلمان جزا اور سزا کے اس قانون کو فراموش کر بیٹھے ہیں یا اسے معمولی سمجھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد دیکھی جائے گی۔ کسی کی زمین کا مسئلہ، کسی کی جائیداد کا مسئلہ، کسی کے مال و دولت کا مسئلہ، مرنے کے بعد لے لینا۔۔۔ اسے اندازہ نہیں کہ جب جزا اور سزا کا قانون نافذ ہو گا، وہ گھڑی اس قدر دردناک ہو گی کہ اللہ کے نبی ﷺ کے پیارے داماد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنھیں اللہ کے نبی ﷺ نے ایک بیٹی دی، ان کا انتقال ہوا، پھر دوسری بیٹی دی، ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عثمان میری چالیس بیٹیاں ہوتیں یکے بعد دیگرے ان کا انتقال ہوتا چلا جاتا، میں تیرے نکاح میں دیتا چلا جاتا۔“ لیکن جب قبر پہ جاتے تو زار و قطار روتے، آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ایسے پیارے۔۔۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ آنکھ بند ہو جانے کے بعد اب معاملہ کیا پیش آتا ہے، قبر کا یہ گڑھا، گڑھا نہیں اس پر سزا اور جزا کا قانون نافذ ہوتا ہے۔ جزا اور سزا کا ردِّ عمل سامنے آتا ہے۔ زار و قطار روتے رہے اور فرمانے لگے: ”یہ آخرت کی گھاٹیوں میں پہلی گھاٹی ہے اور اگر کوئی یہیں ناکام رہا اگلی گھاٹیوں میں کیسے کام یاب ہو سکتا ہے۔“ وہ سمجھتے تھے اس جزا اور سزا کے قانون کو، اس کی حیثیت جانتے تھے۔ ہم تو اپنے پیاروں کو اس گڑھے میں رکھ کے آتے ہیں دل اثر نہیں لیتا، دل کہاں رہا یہ، یہ پتھر ہو گیا ہے، جانے والے سے بھی عبرت نہ پکڑے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: بہت بڑا واعظ ہے، جب تیرے گھر سے جنازہ اٹھے، جب وہ اپنے پیاروں کو کندھے پر اٹھا کر لے جائے، جب تو اپنے پیاروں کو منوں مٹی کے نیچے چھوڑ کر آئے، یہ بہت بڑا واعظ ہے۔ اس سے بھی اگر تیرا دل نہ پگھلے تو سینے کا دل، دل نہ رہا، پتھر رہا۔۔۔ لقمہ حرام نے، ان آنکھوں کے حرام دیکھنے نے، سینے کا دل دل کہاں رہنے دیا، اثر نہیں لیتے، ورنہ یہ جزا اور سزا کا قانون زندگی پاکیزہ کر دیتا۔ زندگی اللہ کی فرماں برداری میں لے آتا کہ اس قانون کی کیا اہمیت ہے۔ اس قانون کا خوف یہ آدمی کی زندگی کو پرہیزگار بنا دیتا ہے، لیکن آج اس قانون پر یقین نہ رہا، اس کی عظمت و اہمیت نہ رہی، مسلمان ہو کے بھی اس جزا اور سزا کے قانون کو فراموش کر بیٹھا۔ اس لیے برائیاں بڑھ رہی ہیں، جرائم بڑھ رہے ہیں، ظلم بڑھ رہا ہے، ناانصافیاں بڑھ رہی ہیں، ورنہ خلوت اور تنہائی میں بھی مسلمان کسی کا حق نہیں لیتا تھا، خیانت اور بددیانتی نہیں کیا کرتا تھا۔

کہتے ہیں نا، کیمرے کی آنکھ دیکھ رہی ہے، سبحان اللہ! مسلمان کے اندر سے آواز آتی تھی ”اللہ دیکھ رہا ہے۔“ سزا ہے جزا ہے، قانون ہے اس ذات کا۔۔۔ قانون کی رسائی نہیں، لوگوں کی نظریں نہیں پہنچ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دورانِ سفر ایک چرواہے کا امتحان لینے لگے: ”دودھ کی ضرورت ہے، دو گے؟“ یہ مالک کا ہے، اُس کا ملازم ہوں، مجھے اجازت نہیں ہے۔۔۔ تو امتحان لینے لگے کہ مجھے یہ فروخت کر دو اور مالک سے کہہ دین بھیڑیے نے کھا لیا۔ جنگل میں بھیڑیے کھا لیا کرتے ہیں، پیسے بھی تمہارے، پیسے لے لو اور پوری بھیڑ دے دو۔ چرواہا وہ جنگل میں گزرنے والا، جو اللہ کے قانون سزا اور جزا سے واقف اور ایمان رکھتا تھا۔ کہنے لگا: ہاں! ان بکریوں کا مالک اور اس ریوڑ کا مالک تو نہیں دیکھ رہا، لیکن مالک کا مالک تو دیکھ رہا۔۔۔ مالک کے مالک کی نظر سے میں کیسے چوک سکتا ہوں، وہ تو دیکھ رہا ہے۔

مسلمانوں کے بارے میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ جب مسلمان نماز پڑھا کرتے ہیں، مسلمان اللہ کے فرماں بردار اور نماز جیسی عبادت کیا کرتے ہیں اور اس میں بار بار اللہ اکبر ”اللہ سب سے بڑے ہیں“ اس میں بار بار مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ جزا اور سزا کا قانون اور رسول اللہ ﷺ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نمازی میں اور اللہ کی نافرمانی میں کوئی جوڑ نہیں ہے، جیسے آگ پانی اکٹھے نہیں ہوا کرتے ہیں، نمازی میں اور اللہ کی نافرمانی میں کوئی جوڑ نہیں ہوا کرتا۔۔۔ لیکن نماز بھی تو نماز ہو! نماز کا پیغام بھی تو پتا ہو، ورنہ اللہ کا ارشاد تو سچا ہے کہ اللہ کی فرماں برداری ایسی عبادت ہے، نماز ایسی بڑھیا عبادت ہے، اس کے ساتھ گناہ نہیں رہتے۔ اس کے ساتھ اللہ کی نافرمانی نہیں رہتی۔

جزا اور سزا کے اس قانون کا جس قدر استحضار رہے گا، دھیان رہے گا، خیال رہے گا، زندگی پاکیزہ ہوتی چلی جائے گی۔ دوسروں کے حقوق کا تحفظ، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، دوسروں کے حقوق کا خیال، یہی نظریہ یہی عقیدہ آدمی کو کھڑا کرتا ہے، اس سے معاملات کی درستی ہوتی ہے۔ آج سب سے بڑا معاملہ تنازعات کا جھگڑوں کا اور آپس کی نفرتوں کا ہے۔ زر ہے نا، زمین ہے نا، مال و دولت ہے نا، جائیداد ہے نا، سارے جھگڑے اسی پر کھڑے ہیں۔ یہ ساری دوستیاں دشمنیوں میں بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ مثالی تعلقات اور مثالی محبت، کیسی نفرتیں۔۔۔؟؟ پہلے بات زبان تک، پھر معاملہ مقدمات تک، بھائی بھائی کا منہ دیکھنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ برائی اور یہ انتہا پہ اس لیے پہنچے کہ دلوں کے اندر سے خوفِ خدا نکل گیا۔ اس قانون جزا اور سزا کا خیال نہیں رہا کہ اگر آج میں بااختیار ہوں، آج میں طاقت ور ہوں اور آج کوئی مجھ سے نہیں لے سکتا تو کل تو عدل کی عدالت ہے، وہاں تو انصاف ہونا ہے، وہاں تو ہر ایک سے بازپرس ہے۔ روشن دان سے جب روشنی آتی ہے، سورج کی روشنی اس میں ذرات ہوتے ہیں چھوٹے چھوٹے ذرات۔ فرمایا: یہ عمل میں فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ وہ جزا اور سزا کا قانون ایسے جاری ہو گا کہ اس ذرے کے برابر نیکی کی ہو گی، وہ بھی ضائع نہیں ہو گی۔ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ اس ذرے کے برابر خیانت ہو گی ظلم ہو گا، ناانصافی ہو گی، اللہ کی نافرمانی ہو گی اس کی بھی سزا ہو گی، اس کا بھی وبال ہو گا۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ یہ ایک پیغام ہے، اس میں ایک عقیدہ ہے، ایک نظریہ ہے، وہ آدمی کو اللہ کی فرماں برداری پر کھڑا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کہا سنا عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

بے قراری کے سمندر میں طمانیت کی تلاش

اسلامی، سائنسی اور نفسیاتی جائزہ

رابعہ فاطمہ

آج کا انسان مادّی ترقی کے عروج پر پہنچ چکا ہے، مگر اس کے باوجود بے چینی، اضطراب اور ذہنی دباؤ کی شدّت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ سائنسی ایجادات، ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور سماجی ترقی نے زندگی کو سہل بنا دیا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ پیچیدگیوں کا باعث بھی بنی ہیں۔ ایک طرف مہنگائی، مسابقت اور غیر یقینی مستقبل کا دباؤ تو دوسری طرف سوشل میڈیا اور "مصنوعی خوشی" کے رجحانات نے ذہنی سکون کو ناپید کر دیا ہے۔

ذہنی اضطراب صرف ایک نفسیاتی کیفیت نہیں، بلکہ یہ جسمانی، جذباتی اور روحانی عدمِ توازن کی علامت ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق، ذہنی دباؤ کا اثر نہ صرف جذبات پر بلکہ جسمانی صحت پر بھی پڑتا ہے۔ نیوروسائنس کی تحقیق بتاتی ہے کہ بے چینی کی حالت میں دماغ کے کیمیکل (Neurotransmitters) جیسے کہ سیر ٹونن اور ڈوپامائن میں عدمِ توازن پیدا ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں فرد خود کو کم زور، مایوس اور غیر مطمئن محسوس کرتا ہے۔

اسلام نے (جو ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے) صدیوں قبل وہ اصول وضع کر دیے تھے جو ذہنی سکون اور باطنی اطمینان کے لیے ضروری ہیں۔ نماز، ذکر، دعا، صبر اور شکر جیسے روحانی عوامل جدید نفسیاتی تحقیقات سے ہم آہنگ ہیں۔

"قدیم اور جدید ادوار میں ذہنی اضطراب: ایک ارتقائی جائزہ"

1۔ یونانی فلسفہ اور ذہنی صحت کا نظریہ: قدیم فلسفیوں نے ذہنی صحت اور اضطراب کے موضوع پر گہرے نظریات پیش کیے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو نے انسانی ذہن کی پیچیدگیوں پر تفصیلی بحث کی اور وضاحت کی کہ ذہنی سکون اور اضطراب کا تعلق کس طرح خیالات، جذبات اور بیرونی عوامل سے ہوتا ہے۔ افلاطون کے مطابق، ذہنی توازن کا دارومدار تین عناصر کے درمیان ہم آہنگی پر ہے: عقل، جذبات اور جبلّتیں۔ اگر ان میں سے کوئی عنصر قابو سے باہر ہو جائے تو انسان بے چینی اور ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

2۔ اسلامی تہذیب میں ذہنی صحت اور نفسیاتی علوم: اسلامی تاریخ میں ذہنی صحت کو ایک اہم علمی اور طبّی موضوع کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ قرونِ وسطیٰ میں مسلمان ماہرینِ طب جیسے کہ ابنِ سینا اور الرازی، نے ذہنی امراض کے علاج کے لیے باقاعدہ سائنسی طریقے وضع کیے۔ اسلامی بیمارستانوں میں ذہنی امراض کے مریضوں کا علاج قرآنی تلاوت، خوش بو تھراپی، پانی کے بہاؤ کی آواز، جڑی بوٹیوں کے استعمال اور مثبت ماحول فراہم کرنے کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ یہ طریقے جدید نفسیاتی علاج، جیسے کہ CognitiveBehavioralTherapy (CBT) اور MindfulnessTherapy سے مشابہ ہیں۔

"نیوروسائنس اور ذہنی اضطراب: جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں"

دماغی کیمیکل اور اضطراب کے درمیان تعلق: جدید سائنسی تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ ذہنی اضطراب کا تعلق صرف خیالات اور جذبات سے نہیں بلکہ یہ ایک حیاتیاتی (Biological) مسئلہ بھی ہے۔ نیوروسائنس کے مطابق، جب کوئی فرد دباؤ میں ہوتا ہے تو اس کے دماغ میں کورٹیسول ہارمون کی مقدار بڑھ جاتی ہے، جو خوف، بے چینی اور دباؤ میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اس کے علاوہ، سیر ٹونن اور ڈوپامائن جیسے نیوروٹرانسمیٹرز کی سطح میں عدمِ توازن، فرد کے مزاج اور ذہنی استحکام کو متاثر کرتا ہے۔

ہارورڈ میڈیکل اسکول کی تحقیق کے مطابق روحانی مشقیں، مراقبہ اور عبادات کرنے سے نیورونز کو مثبت تحریک ملتی ہے، جس کے نتیجے میں بے چینی میں کمی آتی ہے اور ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے۔ یہی حقیقت قرآن میں بیان کی گئی ہے: "بے شک، دلوں کا سکون اللہ کے ذکر میں ہے۔" (الرعد:28)

"سوشل میڈیا اور مصنوعی خوشی کا فریب"

1۔ ڈیجیٹل دور میں اضطراب کے نئے اسباب: آج کے دور میں سوشل میڈیا انسانی ذہن پر گہرے نفسیاتی اثرات مرتّب کر رہا ہے اور یہ جدید بے چینی کی ایک بڑی وجہ بن چکا ہے۔ سٹینفورڈ یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق، جب لوگ سوشل میڈیا پر دوسروں کی خوش حال زندگی کی جھلکیاں دیکھتے ہیں تو وہ اپنی زندگی کا موازنہ ان سے کرنے لگتے ہیں، جو احساسِ کمتری، مایوسی اور بے چینی کو جنم دیتا ہے۔

2۔ اسلامی تعلیمات اور قناعت پسندی کی اہمیت: اسلام نے صدیوں پہلے اس مسئلے کی نشاندہی کی اور قناعت پسندی کی ترغیب دی، تاکہ انسان غیر ضروری موازنہ اور بے چینی سے محفوظ رہ سکے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے "اور جو چیزیں اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں پر فضیلت دے کر دی ہیں، ان کی تمنا نہ کرو۔" (النساء:32)

"جدید نفسیاتی علاج اور اسلامی تعلیمات"

Cognitive Behavioral Therapy (CBT) اور قرآن: جدید نفسیاتی تحقیق Cognitive Behavioral Therapy (CBT) کو ایک مؤثر طریقہ سمجھتی ہے، جو مریض کو منفی خیالات سے نکال کر مثبت طرزِ فکر اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہی اصول قرآن میں بھی بیان ہوا ہے: "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔" (الزمر:53)

شکر گزاری، دعا اور ذہنی سکون: ماہرینِ نفسیات کے مطابق، شکر گزاری ذہنی دباؤ کو کم کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اسلام میں الحمدللہ کہنے کی عادت کو اپنانے پر زور دیا گیا ہے، جو مثبت سوچ کو فروغ دیتی ہے اور دماغ میں آکسیٹوسن اور ڈوپامائن کی سطح کو متوازن کرتی ہے، جس سے فرد کو ذہنی سکون اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔

"نتائج اور عملی تجاویز: حقیقی ذہنی سکون کا حصول"

مختلف نفسیاتی، سائنسی اور اسلامی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذہنی اضطراب کے علاج میں صرف ادویات کافی نہیں، بلکہ ایک متوازن طرزِ زندگی بھی ضروری ہے۔ روحانی مشقیں، جیسے کہ نماز، ذکر اور دعا، ذہنی استحکام کو بحال کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ سوشل میڈیا کے بے جا استعمال کو محدود کرنا، مثبت طرزِ فکر اپنانا، نیند کے معمولات کو بہتر بنانا اور حقیقی زندگی میں تعلقات کو مضبوط بنانا، ذہنی سکون کے حصول میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

اسلام میں دیے گئے اصول جدید نفسیات اور نیوروسائنس سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔ قرآن، حدیث اور سائنسی تحقیق اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ سکون دولت، شہرت یا کامیابی میں نہیں، بلکہ ایک متوازن، قناعت پسند اور بامقصد زندگی گزارنے میں ہے۔ جدید دنیا جس ذہنی سکون کی تلاش میں ہے، اسلام نے صدیوں پہلے اس کے اصول متعین کر دیے تھے۔ اب یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم ان اصولوں کو اپنائیں اور ذہنی اضطراب کے چیلنجز کا شعوری اور عملی انداز میں سامنا کریں۔

بیمار ہے زندگی

حفصہ فیصل

"تیمور بھائی! خیریت تو ہے، اتنے اداس دکھائی دے رہے ہو؟" جواد نے اپنے پڑوسی تیمور کو دیکھ کر سوال کیا۔

"ہاں، جواد بھائی! بس خیر ہے۔" تیمور نے ٹالنا چاہا۔

"نہیں نہیں بھائی! کچھ تو ہے، ورنہ اتنے ہنستے مسکراتے چہرے پر ایسی اُداسی میں نے پہلی بار دیکھی ہے۔" جواد نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"منّا تو ٹھیک ہے نا!" جواد نے جواب کا انتظار کیے بنا ایک اور سوال کر ڈالا۔

"اتنے ارمانوں کے بعد آیا ہے میرا بیٹا! نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے۔ دن بدن زرد ہوتا جا رہا ہے۔" تیمور نے آخر دل کا حال کہہ ہی ڈالا۔

"ارے! اُداس کیوں ہوتے ہو، کسی اچھے ڈاکٹر کو دِکھاؤ، اللہ خیر کرے گا۔" جواد نے دل جوئی کے ساتھ مشورہ دیا۔

"کئی ڈاکٹر تبدیل کر چکے جواد بھائی! مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔" تیمور نے افسردگی سے کہا۔

"اچھا! وہ ڈاکٹر وسیم قریشی کو دِکھایا، بہت ذہین ڈاکٹر ہیں اور بچوں کے امراض میں تو خوب ماہر ہیں۔" جواد نے چمکتی آنکھوں سے مشورہ دیا، گویا اس کے پاس جا کر منّا ٹھیک ہی ہو جائے گا۔

"ہاں! فیس تھوڑی سی زیادہ ہے ان کی، مگر جان سے بڑھ کر بھی بھلا کچھ ہوتا ہے۔" جواد نے کہا اور تیمور تھوڑی پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا۔

"صائمہ شام میں منّے کو تیار رکھنا، ڈاکٹر وسیم قریشی کے ہاں چیک اپ کروانے جانا ہے۔" تیمور نے بیوی سے کہا۔

"مگر اس ڈاکٹر کی فیس تو۔۔۔"

"بس! تم فکر نہ کرو، میں نے انتظام کر لیا ہے۔" تیمور صائمہ کی بات کاٹتے ہو بولا۔

"ارے! یہ آئرن کی دوائیں پلا کر آپ نے بچے کو مزید نڈھال کر دیا ہے، آپ جانتے ہیں آپ لوگ اس ننھی جان کے ساتھ کیسا ظلم کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر وسیم غصے سے بولے جا رہے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! ہم کم علم لوگ ہیں، آپ کے جیسے ڈاکٹروں کے پاس سے ہی مشورہ کرتے ہیں، انھوں نے جیسا کہا ویسا کیا ہم نے۔" تیمور لجاجت سے بولا۔

"اچھا! اب یہ ٹیسٹ لکھے دے رہا ہوں، مجھے بچے کو تھیلیسیمیا کا مرض محسوس ہو رہا ہے، ٹیسٹ سے پکی تصدیق ہو جائے گی۔" ڈاکٹر وسیم نروٹھے پن سے بولے۔

"مگر ڈاکٹر صاحب! اسے تو بخار اور چرچراہٹ ہے۔" صائمہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"ہاں بھئی! یہی تو علامات ہے اس مرض کی۔" ڈاکٹر صاحب اگلے مریض کے لیے گھنٹی بجاتے بولے۔ صائمہ منّے کو سمیٹتی ہوئی تیمور کے پیچھے باہر نکل آئی۔

HPelectrophories

"جی اس کے لیے رقم آپ اس کاؤنٹر پر جمع کروا دیں اور پھر مریض کو پرچی سمیت یہاں لے کر آئیں۔" لیبارٹری انچارج نے پیشہ ورانہ انداز میں کہا۔

"رقم۔۔۔" تیمور بڑبڑایا۔

"سیما! چلو ٹیسٹ کل کروائیں گے۔" تیمور سرگوشی کے سے انداز میں بولا کہ اس کا راز کسی کو پتا نہ چل جائے۔

"ہائے ربّا! اتنی منتوں سے مانگا تھا دو بیٹیوں پر بھائی! نا جانے کس کی نظر کھا گئی میرے بچے کو۔" صغریٰ بی بی دہائیاں دیے جا رہی تھیں۔

جب سے منّے کی تھیلیسیمیا کی خبر پتا چلی تھی، محلے کی تمام عورتیں ایک ایک کر کے سیما کے پاس آ کر تسلی دے رہی تھیں۔

وہ ان تسلیوں میں مزید دل دُکھانے کی باتیں کر جاتیں۔

"ہائے سیما! اس بیماری میں بچے چند سال ہی جیتے ہیں۔" پڑوس والی صغریٰ نے سیما کا دل دہلایا۔

"سیما! تم جانتی ہو؟ اس بیماری کا علاج بہت مہنگا ہے۔ انسان کا بال بال قرض میں ڈوب جاتا ہے، مگر پھر بھی مرض نہیں چھوٹتا، تم تو اب صبر ہی کر لو منّے پر۔" یہ دو گھر چھوڑ پڑوسن عالیہ تھی۔

"ہائے! کیسا گل گوتھنا سا تھا منّا! پیدائش کے وقت میں نے تو اس کی نظر اتار کر صدقہ نکالا تھا۔ اب دیکھو ذرا زرد ہلدی جیسا ہو گیا ہے۔" دائی فاطمہ تأسف سے بولی۔

"تیمور بیٹا! صبر کرو۔" اسلم چچا نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ہر کوئی تیمور سے صبر کی تلقین کر رہا تھا، مگر صبر کہاں سے آتا، نہ جانے کون سی خطا ہو گئی تھی۔ تیمور کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور اس اندھیرے میں ایک اور تیر بڑے بھیّا نے پھینکا، جس سے زخم زخم تیمور لہولہان ہو گیا۔

"ہائے اماں! اب میں نہیں رہنے کی سیما اور تیمور کے ساتھ، نکالو ان دونوں کو یہاں سے، میرا بھی ایک بچہ ہے، کہیں اس بیماری کی زد میں آ جائے گا تو۔۔۔" سیما ہاتھ نچا کر کے بولی۔

"کیا ہوا بڑی بہو! کیوں شور مچا رہی ہو؟" اماں بولی۔

"اماں! جیسے منّا تمہارا پوتا ہے، ایسے سمیر بھی تمہارا پوتا ہے اور ہماری تو اکلوتی اولاد ہے۔ بس یہ چھوت بیماری والے بچے کو نکالو یہاں سے، اگر میرا بچہ اس کی زد میں آیا تو میں نہیں چھوڑنے کی کسی کو بھی۔" بڑی بہو چلاتے ہوئے بولی۔

اماں ابھی اس کا کچھ بھی جواب نہ دے پائی تھی کہ بڑے بھیّا تیمور کو ہاتھ سے پکڑ کر کمرے سے باہر لائے۔

"تیمور! کل تک اپنا کہیں اور بندوبست کر لو، اب اس گھر سے تمہارا دانہ پانی اُٹھ گیا ہے۔ ہم اپنے بچے کی جان پر کسی قسم کا خطرہ برداشت نہیں کر سکتے۔"
"بھائی جی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ بیماری چھوت نہیں ہے، اگر چھوت ہوتی تو پہلے میرے بچوں کو یا مجھے اور سیما کو لگتی، آپ کا کمرہ تو اوپر ہے۔" تیمور تحمل سے بولا۔
"نہیں بھئی! یہ اپنی ڈاکٹری اپنے پاس رکھو۔ کل ہی کہیں اپنا بندوبست کرو، ہم کچھ نہیں جانتے۔" بڑے بھیا سفاکی سے بولے۔
"اماں! آپ ہی کچھ بولیں، یہاں میں منّے کے علاج کے خرچوں پر سوچ سوچ کر پریشان ہوں اور اوپر سے بڑے بھیا ایسے غیروں والی باتیں کر رہے ہیں۔" تیمور رو پڑا۔
ماں کا دل بھی پسیج گیا اور پھر بڑے بھیا نے اپنا کھانا پینا مکمل الگ کر لیا، نہ ہی تیمور سے ملتے نہ اس کے بچوں سے بلکہ ایسے لیے دیے گزرتے گویا بیماری اُڑ کر ان سے چپک جائے گی۔
آخر کچھ قرضہ لے کر تیمور نے منّے کا ٹیسٹ کروایا، تاکہ مرض کی نوعیت کا تعین ہو سکے۔ منّے کی حالت روز بروز پتلی ہوتی جا رہی تھی۔
"آپ کے بچے کو تھیلیسیمیا میجر ہے۔ ابھی اس کی عمر کے مطابق اسے ہر ماہ ایک خون بوتل لگے گی اور روزانہ ڈسٹرول انجیکشن لگوانا پڑے گا، تاکہ آئرن فالٹ کا اخراج ہو سکے۔ ابھی فی الحال ماہانہ 8 ہزار روپے خرچ آئے گا جو کہ آہستہ آہستہ بڑھتا جائے گا، کیوں کہ بچے کی عمر کے ساتھ ساتھ اسے خون چڑھانے کی مقدار بھی بڑھتی جائے گی۔" لیبارٹری انچارج تیمور کو ساری تفصیلات سے آگاہ کیے جا رہی تھی، جبکہ تیمور اخراجات کا سوچ سوچ کر نڈھال ہو رہا تھا کہ اچانک ہی اسے اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔
"ادھر آیئے! یہ صفحہ رکھیے۔ اس پر شہر کے بڑے رفاہی ہسپتال کا پتا درج ہے۔ ان شاء اللہ! یہاں آپ کے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ اللہ کا نام لے کر بچے کو یہاں لے جائیے۔"
اس فرشتہ صفت انسان میں تیمور کا رُخ صحیح سمت موڑ دیا۔
"چلو سیما! تیمور نے پرائیوٹ ہسپتال سے چلنے کو کہا اور پھر وہ دونوں اس رفاہی ہسپتال پہنچے۔ اس ہسپتال میں جدید آلات و معیاری چیزیں دیکھ کر دونوں مرعوب ہوئے۔
"جی فرمایئے!" ایک نرس اسٹاف خوش اخلاقی سے بولی۔
"وہ وہ۔۔۔ یہ۔۔۔" تیمور ہکلایا۔
"اچھا! میں سمجھ گئی۔" نرس رپورٹس دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔
"آپ اس کمرے میں چلے جائیں، ڈاکٹر وہاں ہیں۔" تیمور اور صائمہ کمرے کی طرف بڑھے۔
"گھبرایئے مت! یہ ایک ٹیسٹ اور کروانا پڑے گا، آپ بچے کو لے کر سامنے ہال میں چلے جائیں، وہاں موجود اسٹاف آپ کے بچے کا خون کا نمونہ لے لیں گے۔" دونوں یہ سوچتے ہوئے ہال میں آئے کہ نہ جانے یہاں کتنا خرچ ہو۔
"سنیں، چلیں واپس چلتے ہیں! نہ جانے یہاں کتنے پیسے لگیں گے۔ ہمارے پاس اتنے پیسے کہاں ہیں؟" صائمہ چپکے سے تیمور سے بولی۔ "رکو پہلے پوچھ تو لیں، کتنے پیسے لگیں گے۔" تیمور نے پیشانی پر آئے پسینے کو پونچھتے ہوئے کہا۔
دونوں یہ باتیں کرتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے، جہاں پہلے ہی سے 25، 30 بچوں کو خون لگ رہا تھا، مگر بچے ایسے اپنے کاموں میں مگن تھے، جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں۔۔۔
کوئی کھلونوں سے کھیل رہا تھا، کوئی نظموں کی کتابیں پڑھ رہا تھا، کوئی کارٹون دیکھ رہا تھا، کوئی اسکول کا کام کر رہا تھا۔ ابھی صائمہ اور تیمور یہ سارا منظر حیرانی سے دیکھ رہے تھے کہ خون بھی لگ رہا ہے اور کوئی بھی بچہ بیمار بھی نہیں لگ رہا کہ اتنے میں اسٹاف نے انھیں پکارا:
"جی سی بی سی ٹیسٹ آپ کے بچے کا ہے؟"
"جی جی! ہمارے بچے کا ہے۔" تیمور نے جواب دیا۔
آیئے! بچے کو یہاں لٹایئے۔" اسٹاف مسکراتے ہوئے بولی۔
"ٹیسٹ کے پیسے تو پوچھ لیں، اگر اتنے پیسے نہ ہوئے تو بے عزتی ہو جائے گی۔" صائمہ نے تیمور کے قمیض کا کونا کھینچتے ہوئے سرگوشی کی۔
"وہ۔۔۔ اس ٹیسٹ کے کتنے پیسے ہوں گے؟ میرے پاس اس وقت زیادہ رقم نہیں ہے۔" تیمور نے نظر جھکاتے ہوئے پوچھا۔
"کوئی بات نہیں، آپ بے فکر ہو کر بچے کو لٹا دیجیے۔" اسٹاف نے مسکراتے ہوئے کہا اور خون کا نمونہ لے لیا، "آپ باہر انتظار کیجیے۔ رپورٹ آتے ہی آپ کو پکارا جائے گا۔" اسٹاف نے تیمور اور صائمہ سے کہا۔
آدھے گھنٹے بعد منّے کا نام پکارا گیا اور تیمور، صائمہ اور منّے کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں داخل ہوا۔
"دیکھیے! بچے کے جسم میں خون کی مقدار بہت کم ہو گئی ہے۔ آپ جلد از جلد خون کا انتظام کیجیے۔" ڈاکٹر پیشہ ورانہ لہجے میں بولے۔
"میں، میں تو کسی کو نہیں جانتا، جو خون دے سکے۔" تیمور ہکلاتے ہوئے پریشانی سے بولا۔
"کوئی بات نہیں! فی الحال بچے کی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم خون اپنے پاس سے دے رہے ہیں۔ اس کو ہر ماہ خون لگے گا اور تین یا چار سال کی عمر سے فولاد کم کرنے کی دوا اور انجیکشن بھی روزانہ استعمال کروانے پڑیں گے۔ زیادہ تر تو ہم آپ کو اپنے پاس سے خون کا انتظام کروا دیا کریں گے، مگر کبھی ہمارے پاس خون کا بندوبست نہ ہوا تو آپ کو خود کروانا پڑے گا۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ آپ کو خون کا انتظام کم سے کم کرنا پڑے اور بچے کی تمام ضرورت ہم ہی پوری کریں۔ آپ بچے کے لیے خون لانے کا انتظار کریں، اپنے رجسٹریشن کے کاغذات ریکارڈ آفس میں جمع کروا دیں۔" ڈاکٹر نے تفصیلات بتا کر کہا۔
"مگر ڈاکٹر صاحب! ان سب کے اخراجات کیا بنیں گے؟" صائمہ بے چینی سے بولی۔
"ویسے تو ان سب کا ماہانہ خرچ 10 سے 12 ہزار بنتا ہے اور وقت اور عمر کے ساتھ یہ خرچہ بڑھتا جاتا ہے۔" اتنی بڑی رقم کا سن کر تیمور اور صائمہ کے منہ اتر سے گئے۔
"مگر یہ بتایئے کہ پیسے آپ سے مانگے کس نے ہیں؟" ڈاکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
صائمہ اور تیمور ڈاکٹر کے سوال پر حیرت سے دیکھنے لگے۔
"میری بہن! آپ پریشان نہ ہوں، اس رفاہی ہسپتال میں تمام تر علاج جدید ضرور ہے، مگر یہاں تمام علاج ٹیسٹ، ادویات ساری زندگی کے لیے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
یہ سن کر صائمہ اور تیمور حیرت زدہ رہ گئے۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ آج کے دور میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ دونوں اشکبار ہو کر ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرنے لگے۔

منّا چار سال کا ہو چکا تھا۔ باقاعدگی سے منّے کو خون کی بوتل اور ڈسفرال کے انجکشن لگتے، ساتھ ہی منّے کو اسکول بھی داخل کروا دیا گیا تھا۔
صائمہ اور تیمور رفاہی ادارے والوں کو ہر وقت دعائیں دیتے کہ جنھیں اللہ نے ان کے بیٹے کو نئی زندگی کا وسیلہ بنایا تھا۔

Take a Different Vibe

Perfect®
FRESHENER

رہو خوشبوؤں میں

غصہ اور صبر

حفصہ سلطان

فطری مگر مخرب اخلاق

زندگی کے نشیب و فراز میں انسان کو متنوع کیفیات اور تجربات کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ تجربات کبھی مسرّت و طمانیت کا پیغام لاتے ہیں تو کبھی رنج و الم کے سائے گہرے ہو جاتے ہیں۔ ان لمحات میں اصل آزمائش یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے داخلی جذبات کو کس حکمت، بصیرت اور فہم کے ساتھ سنبھالتے ہیں۔

غصہ ایک فطری مگر مخرّب اخلاق کیفیت ہے جو اکثر عقل و شعور کو مغلوب کر کے انسان کو پشیمانی کے دہانے تک لے جاتی ہے۔ تاہم! اسلام، جو سراپا امن و ضبط کا پیغام ہے، انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ غیظ و غضب کے طوفان میں صبر و حِلم کا سہارا ہی وہ ذریعہ ہے جو روحانی ارتقا اور دنیوی سکون کا سبب بن سکتا ہے۔

اسلام میں غصے کا مفہوم

اسلامی تعلیمات میں غصے کو ایک فطری مگر مہلک کیفیت قرار دیا گیا ہے، جس پر قابو پانا مومن کی پہچان ہے۔ نبیِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔“ (صحیح مسلم)

یہی وجہ ہے کہ اسلام غصے کو محض ایک جذباتی کیفیت نہیں مانتا بلکہ اسے روحانی زوال اور اخلاقی انحطاط کی جڑ تصور کرتا ہے۔ غصہ نہ صرف عقل کو مسخ کرتا ہے بلکہ شیطانی وسوسوں کے ذریعے انسان کو نیکی کی راہوں سے ہٹا کر فتنہ و فساد کی طرف مائل کرتا ہے۔

صبر کا اسلامی فلسفہ

اسلام میں صبر کو محض تحمل یا برداشت کا نام نہیں دیا گیا بلکہ اسے ایمان کی معراج اور روح کی بالیدگی کا مظہر گردانا گیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ (البقرہ: 153)

صبر کا مفہوم محض صدمات کو جھیلنے تک محدود نہیں بلکہ اس میں رِضا بالقضا، تسلیم و رِضا اور آزمائشوں میں استقامت کا جذبہ شامل ہے۔ صبر انسان کی زندگی میں توازن پیدا کرتا ہے اور اس کے جذباتی اور ذہنی سکون کا سبب بنتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے:

”صبر، روح کا وقار ہے اور وقار انسان کو ہر فتنہ و اضطراب سے بچا لیتا ہے۔“

یقیناً صبر انسان کے کردار میں ایسا توازن پیدا کرتا ہے جو اسے نہ صرف معاشرتی وقار عطا کرتا ہے بلکہ اس کا باطن بھی سکون و قرار سے لبریز ہو جاتا ہے۔ صبر وہ وصف ہے جو انسان کو سخت ترین حالات میں بھی اپنے مقصد اور ایمان کے ساتھ جڑے رہنے کی طاقت فراہم کرتا ہے۔

غصے پر قابو پانے کی ہدایات

نبوی تعلیمات میں غصے کو دبانے اور اس پر قابو پانے کی مؤثر تلقین کی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اگر وہ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، کیوں کہ غصہ شیطان سے ہے۔“ (ابوداؤد)

یعنی جسمانی حالت کی تبدیلی، نفسیاتی توازن کی بحالی میں مدد دیتی ہے اور غصے کی شدّت کو کم کرتی ہے۔ وضو کرنا، خاموشی اختیار کرنا اور اعوذ باللہ کہنا بھی ایسے طریقے ہیں جن سے غصے کو قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ ان تدابیر کو اختیار کر کے انسان اپنے آپ کو غصے سے بچا سکتا ہے اور روحانیت میں اضافہ کر سکتا ہے۔

صبر اور غصے کے درمیان توازن

اسلامی نقطۂ نظر سے زندگی کے ہر پہلو میں اعتدال مطلوب ہے اور غصہ و صبر کے درمیان توازن بھی اسی اعتدال کا حصہ ہے۔ غصہ اگر بے جا ہو تو بربادی کا پیش خیمہ بنتا ہے، لیکن اگر اسے ضبط کر لیا جائے تو یہی کیفیت انسان کے لیے قربِ الٰہی کا وسیلہ بن سکتی ہے۔

جب انسان ہر بات پر برہم ہونے لگے تو نہ صرف اس کا باطن اضطراب سے بھر جاتا ہے بلکہ اس کے معاشرتی روابط بھی متاثر ہوتے ہیں۔ برعکس اس کے، جو شخص صبر کی ڈھال تھام لیتا ہے، وہ نہ صرف سکون پاتا ہے بلکہ دوسروں کے دل میں جگہ بھی بناتا ہے۔ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہمیں نہ تو ہر چھوٹی سی بات پر غصہ آنا چاہیے، نہ ہی ہمیں بے حد صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی حق تلفی برداشت کرنی چاہیے۔ دونوں کے درمیان توازن برقرار رکھنا ضروری ہے۔

غصہ اور صبر، انسانی شخصیت کی دو متضاد جہتیں ہیں، جہاں غصہ بگاڑ کا پیغام دیتا ہے، وہیں صبر اصلاح و ارتقا کا راستہ دکھاتا ہے۔ اسلام ہمیں درس دیتا ہے کہ ہم اپنی قوّتِ برداشت کو بلند کریں، اپنی انا کو زیر کریں اور ہر حالت میں حِلم و بردباری سے کام لیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو نہ صرف اللہ کی رضا کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ دنیاوی تعلقات میں بھی حسنِ سلوک کی بنیاد رکھتا ہے۔

غصے اور صبر کی اہمیت

غصہ اور صبر کے درمیان توازن کا مظاہرہ نہ صرف ہمارے ذاتی تعلقات بلکہ اجتماعی سطح پر بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔

ایک فرد جو اپنے غصے پر قابو پاتا ہے اور صبر کا دامن تھامتا ہے، وہ اپنی ذات میں ایک قوی اور متوازن شخصیت پیدا کرتا ہے جو معاشرتی طور پر بھی کامیاب رہتی ہے۔

غصہ اگر بے قابو ہو جائے تو یہ نہ صرف فرد کی زندگی میں تناؤ اور افسردگی پیدا کرتا ہے، بلکہ اس کے اطراف میں موجود افراد کے ساتھ تعلقات کو بھی خراب کرتا ہے۔ دراصل، غصہ انسان کو اس کے داخلی سکون سے دور کر کے دنیا اور آخرت میں نقصان کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے اسلام میں غصے کو ایک مہلک کیفیت قرار دیا گیا ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اپنے باطن میں کسے پروان چڑھاتے ہیں۔ غصے کو جو ہمیں گرا دے یا صبر کو جو ہمیں بلند کر دے؟ اسلام کی صدا یہی ہے:

”صبر اختیار کرو، بے شک اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔“

عدل و انصاف

حکیم شمیم احمد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوْا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء : 135)

اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہو اللہ کے لیے گواہی دو، اگرچہ تمہارا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ ان میں ماں باپ یا قرابت والے ہی ہوں اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے۔ سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔ خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑو۔ اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو جان رکھو! اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

اسی عدل وانصاف کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں یوں بیان فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدة : 8)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

جھوٹی گواہی دینے سے بے گناہ سزا کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اصل مجرم چھوٹ جاتا ہے۔ اسی لیے ملک میں جرائم بڑھتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں انصاف ہو گا تو مجرموں کو سخت سزائیں دی جائیں گی اور اس طرح مجرموں کی حوصلہ شکنی ہو گی۔ عامۃ الناس کو جب عدل وانصاف نہیں ملتا تو لوگ اپنے حقوق کے لیے سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور احتجاج کرتے ہیں اور کئی کئی دن کا دھرنا دیتے ہیں۔

مجرم جھوٹی گواہی دے کر اس دنیا میں تو سزا سے بچ جائے گا، لیکن آخرت کی عدالت میں تو نہیں بچ سکتا۔ وہاں کوئی سفارش کام نہ آئے گی۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الكهف : 49)

اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتابِ زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے! ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو، جو کچھ انھوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا۔

اس موقع پر شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عدل وانصاف نہیں حشر کے دن پہ موقوف
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

خراسان کے بعض ذمے داروں کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا گیا کہ یہاں کے لوگ تلوار کے بغیر ٹھیک نہیں ہونے والے۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ ”آپ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ عدل وانصاف ان کے درمیان قائم کر دیں، یہ لوگ ٹھیک ہو جائیں گے۔“

اسی طرح ایک علاقے کے لوگوں نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ ہمارے علاقے میں ترقیاتی کاموں کے لیے فنڈ جاری کیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خط پڑھا اور کہا کہ ”میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں، آپ شہر کو عدل وانصاف سے مضبوط کریں، آپ کے یہاں ترقیاتی کاموں کے لیے راہیں کھل جائیں گی۔“

اگر گھر میں عدل وانصاف نہ ہو تو گھر کا چین و سکون برباد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اولاد کے درمیان بھی عدل وانصاف سے کام لینا چاہیے۔

چناں چہ حضرت نعمان بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے ان کو ایک غلام دیا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ”میں نے اپنے بچے کو یہ غلام دیا ہے، آپ ﷺ اس پر گواہ رہیں۔“

آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”کیا آپ نے سب بچوں کو اسی ہی طرح غلام دیا ہے۔“ تو انھوں نے کہا کہ ”نہیں۔“

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں ظلم وزیادتی پر گواہی نہیں دے سکتا۔“

قریش قبیلے کی ایک خاتون نے چوری کی تو قبیلے والوں نے سوچا کہ اگر حد جاری ہو گئی تو اس میں خاتون کی بھی بدنامی ہے اور پورا قبیلہ بدنام ہو جائے گا، چناں چہ انھوں نے اس بدنامی سے بچنے کے لیے سفارش کا سہارا لیا اور اس مقصد کے لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو تیار کیا۔ جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ جلال میں آ گئے۔ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”تم حدود اللہ کے سلسلے میں سفارش کرتے ہو۔ تم سے پہلے کے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے اگر کوئی بڑے خاندان کا شخص چوری کرتا تو اس کو سزا نہیں دی جاتی اور اگر کوئی کم زور چوری کرتا تو اس کو سزا دی جاتی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کو بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا۔“

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

قادیانی کے ہاں ملازمت کرنا

سوال: کیاہم کسی قادیانی مالک کی کمپنی میں کام کر سکتے ہیں؟

جواب: قادیانی چوں کہ شرعی احکام کی رو سے مرتد اور زندیق اور ملکی آئین کی رو سے غیر مسلم ہیں، اس بناپر قادیانیوں/مرزائیوں سے خرید وفروخت، تجارت، لین دین، سلام وکلام، ملنا جلنا، کھانا پینا، شادی و غمی میں شرکت، جنازہ میں شرکت، تعزیت، عیادت، ان کے ساتھ تعاون یا ملازمت سب شریعتِ اسلامیہ میں سخت ممنوع اور حرام ہیں۔ قادیانیوں کا مکمل بائیکاٹ ان کو توبہ کرانے میں بہت بڑا علاج اور ان کی اصلاح اور ہدایت کا بہت بڑا ذریعہ اور ہر مسلمان کا اوّلین ایمانی فریضہ ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کی نشانی ہے، لہٰذا ان کے ہاں ملازمت کرنا یا کاروباری معاملات کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

چناں چہ کفایت المفتی میں ہے:

”اگر دین کو فتنے سے محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو (قادیانیوں سے) قطع تعلق کرلینا چاہیے، ان سے رشتہ ناتا کرنا، ان کے ساتھ خلط ملط رکھنا، جس کا دین اور عقائد پر اثر پڑے ناجائز ہے۔“ (ج:1، ص:365)

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ احسن الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

”ایسا شخص جو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، لیکن اس کے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہیں، اگر وہ دل سے بھی ان کو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے اور بلا شبہ خنزیر سے بدتر ہے، اس سے تعلقات رکھنا ناجائز ہے، اگر وہ مسجد کے لیے چندہ دیتا ہے تو اسے وصول کرنا جائز نہیں اور اگر وہ قادیانیوں کے عقائد سے متفق نہیں اور نہ ہی ان کو اچھا سمجھتا ہے، بلکہ صرف تجارت وغیرہ، دنیوی معاملات کی حد تک ان سے تعلق رکھتا ہے تو یہ شخص مرتد نہیں، البتہ بہت سخت مجرم اور فاسق ہے۔ قادیانی زندیق ہیں، جن کا حکم عام مرتد سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مرتد اور اس کا بیٹا اپنے مال کے مالک نہیں، لہٰذا ان کی بیع وشراء، اجارہ واستجارہ، ہبہ کا لین دین وغیرہ کوئی تصرف بھی صحیح نہیں، البتہ پوتے نے جو مال خود کمایا ہو وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، مگر زندیق کا پوتا بھی اپنے کمائے ہوئے مال کا مالک نہیں اور اس کے تصرّفات نافذ نہیں، اس لیے قادیانی سے کسی ذریعہ سے بھی کوئی مال لیا تو وہ حلال نہیں۔ تجارت وغیرہ معاملات کے علاوہ بھی قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی میل جول رکھنا جائز نہیں۔ اس میں یہ مفاسد ہیں: اس میں قادیانیوں کے ساتھ تعاون ہے، اس قسم کے معاملات میں عوام قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھنے لگتے ہیں، اس طرح قادیانیوں کو اپنا جال پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں، اس لیے قادیانیوں سے لین دین اور دیگر ہر قسم کے معاملات میں قطع تعلق ضروری ہے۔ ان سے تعلقات رکھنے والا آدمی اگرچہ ان کو برا سمجھتا ہو، قابلِ ملامت ہے، ایسے شخص کو سمجھانا دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔“

(کتاب الایمان والعقائد، قادیانیوں سے تعلق رکھنے کا حکم، ج:1، ص:46)

دکان بک کروانے کی صورت میں زکوۃ کا حکم

سوال: وقار احمد نے سن دو ہزار اٹھارہ میں ایک پلازہ کی دکان ستر لاکھ میں بک کروائی کہ قیمت بڑھے گی تو بیچ دوں گا، دو ہزار بیس تک پلازے کی بنیادوں کی کھدائی ہوئی ہے اور وقار احمد نے مبلغ چودہ لاکھ ایڈوانس رقم جمع کروائی ہے اور بقیہ رقم وقار احمد کے ذمہ ہے۔ رہنمائی فرمائیں کہ وقار احمد اس دکان کی کتنی زکوۃ ادا کریں گے؟

جواب: واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں پلازے وغیرہ کی دکان بک کروانا شرعاً عقدِ استصناع ہے، جس میں بک کروانے والے (مستصنع) کا دکان پر باقاعدہ قبضہ ہو جانے سے پہلے وہ دکان، بنانے والے صانع کی ملکیت میں ہوتی ہے، بک کروانے والے کی ملکیت نہیں ہوتی، لہٰذا دکان پر قبضہ سے پہلے وقار احمد پر اس کی مالیت کی زکوۃ لازم نہیں ہو گی، چاہے دکان ذاتی استعمال کے لیے بک کروائی ہو یا آگے فروخت کرنے کے لیے، تاہم اس دکان کا باقاعدہ قبضہ ملنے کے بعد اس کی مالیت پر زکوۃ لازم ہو گی۔

نیز جو رقم ایڈوانس (بیعانہ) کے طور پر جمع کروائی گئی ہے، وہ چوں کہ وقار احمد کی ملکیت سے نکل چکی ہے، اس لیے اس رقم کی زکوۃ بھی اس پر لازم نہیں ہو گی، البتہ دکان کی مد میں بقیہ جو رقم اس کے ذمہ واجب الادا ہے، اس میں سے صرف ایک سال میں ادا کی جانے والی رقم (قسطیں) بقیہ اموال میں سے بطورِ قرض منہا کی جا سکتی ہیں۔

جی ایس ٹی بل کی خرید وفروخت

سوال: آج کل یہاں انڈیا میں جی ایس ٹی بل کی خرید وفروخت خوب ہو رہی ہے۔ جی ایس ٹی در اصل حکومت کا ٹیکس ہے، جب کوئی خریدار بائع سے جی ایس ٹی پر نہیں خریدتا تو دکاندار اس جی ایس ٹی کو کسی تیسرے کو بیچ دیتا ہے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا جی ایس ٹی ایسے ہی پڑا رہے گا اور حکومت اس سے سوال کر سکتی ہے، اس سے بچنے کے لیے وہ یہ کام کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح جی ایس ٹی بل کی خرید وفروخت درست ہے؟

وضاحت: اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً: زید نے بکر سے جی ایس ٹی کے بغیر سامان خریدا اور بکر نے کچی رسید دے کر زید کو سامان حوالہ کیا اور اس سامان کی جی ایس ٹی بکر کے پاس رہ گئی، اب عمرو (جو کہ تیسرا بندہ ہے) کو جی ایس ٹی بل کی ضرورت ہے تو وہ بکر سے بغیر سامان کے صرف جی ایس ٹی بل خریدے۔

جواب: صورتِ مسئولہ میں سامان کے بغیر صرف بل کی خرید وفروخت شرعاً جائز نہیں، یہ جھوٹ اور دھوکہ کی ایک شکل ہے، نیز ایسا کرنا قانوناً بھی منع ہے۔

دینِ اسلام اور سادگی

عذرا خالد

ہمارے دین نے سادہ طرزِ زندگی کی تعلیم دی ہے۔ نبی مکرم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر بزرگ شخصیات سادگی کا پیکر تھیں، اسلام کی عبادات سادہ اور اس کے تہوار میں بھی سادگی ہے۔

سادگی کے مختلف معنی ہیں، اس کی بنیادی بات یہ ہے کہ چیزوں کو سمجھنا یا ان سے نمٹنا آسان ہے۔

1۔ سمجھنے میں آسانی: یہ سب سے عام معنی ہیں۔ سادہ ہدایات آسان ہوتی ہیں اور ان پر سمجھ کر عمل کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ سادگی میں بے ترتیبی یا غیر ضروری پیچیدگی نہیں ہوتی۔

2۔ پیچیدگی کا بوجھ نہ ہونا: سادگی میں بہت زیادہ تغیر پذیر حصے نہیں ہوتے۔ اس لیے انھیں قابلِ فہم ٹکڑوں میں توڑنا آسان ہوتا ہے۔

3۔ غیر ضروری عناصر سے آزادی: بعض اوقات سادگی چیزوں کو چھوڑنے کے بارے میں ہوتی ہے۔ سادہ زندگی مادّی املاک چھوڑ کر تجربات پر زور دیتی ہے۔

4۔ واضح اور درستی: سادگی کا سادہ اور واضح نقطۂ نظر ہوتا ہے۔ یہ غیر ضروری پیچیدگیوں سے بچتی ہے۔

سادگی ایک پیچیدہ ڈیزائن بنانے کے اصول میں بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے اصول میں بنیادی فعالیت اور صاف ستھری جمالیات پر توجہ دینے کی قدر کی جاتی ہے۔

سادگی کی مختلف سیاق و سباق میں مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں۔ سادگی کی وضاحت کچھ اس طرح کی جاسکتی ہے:

1۔ ضرورت سے زیادہ چیزوں سے گریز: سادگی غیر ضروری مادّی اشیا و ذہنی پیچیدگیاں اور غیر ضروری سماجی معاملات سے پاک ہوتی ہے۔

2۔ اہم اور لازمی چیزوں پر توجہ مرکوز ہونا: سادگی اپنانے کے لیے صرف اہم چیزوں پر توجہ مرکوز کرنا اور باقی سب کچھ چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ ان اہم چیزوں میں مقاصد، اقدار اور تعلقات پر توجہ مرکوز کرنا شامل ہیں۔ ایسا کرنے سے سادگی وقت کا صحیح استعمال کرنے کے لائق بنا دیتی ہے۔ اسے ہی time management کہا جاتا ہے۔

3۔ قدرت اور حقیقت سے جڑے رہنا: سادگی کا مطلب اکثر قدرتی دنیا اور حقیقی تجربات سے جڑے رہنا ہوتا ہے اور مصنوعی چیزوں اور غیر حقیقی توقعات سے دور رہنا ہے۔

4۔ قناعت: سادگی کا مطلب جو آپ کے پاس ہے، اس سے مطمئن رہنا اور زیادہ کی خواہش نہ کرنا ہے۔ اس سے شکر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور مادّی اشیا پر انحصار کم ہوتا ہے۔

سادہ زندگی گزارنے والے لوگ اپنے پیسے کو غیر ضروری اشیا اور تجربات پر خرچ کرنے کی بجائے ان چیزوں پر خرچ کرتے ہیں جو ان کے لیے سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ قرض سے بچنے، بچت کرنے اور اپنے پیسے کو ذمہ داری سے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سادہ طرزِ زندگی گزارنے کے فائدے:

1۔ کم تناؤ: کم سامان اور کم اخراجات آپ کے مالی اور جذباتی تناؤ کی کمی کا باعث ہوتے ہیں۔

2۔ زیادہ آزادی: جب آپ مادّی اشیا پر انحصار نہیں کرتے تو آپ کے پاس زیادہ آزادی ہوتی ہے کہ آپ اپنا وقت اور پیسہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کریں۔

3۔ زیادہ اطمینان: سادہ طرزِ زندگی اکثر زیادہ اطمینان اور خوشی کا باعث بنتی ہے، کیوں کہ یہ آپ کو اپنے تعلقات، اپنے تجربات اور اپنے مقاصد پر توجہ مرکوز کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

سادہ طرزِ زندگی کی دلچسپیاں:

1۔ اخراجات کا جائزہ لینا کہ کہاں پیسہ بچ سکتا ہے، غیر ضروری اشیا سے چھٹکارا۔

2۔ خرچ موقع اور چیز کی اہمیت کے پیش نظر کرنا۔

3۔ حتی الامکان قرض سے بچنا۔

4۔ پیسے کو ذمہ داری سے خرچ کرنا۔

سادگی ایک مستقل سفر ہے۔ راستے میں کچھ رکاوٹیں آ سکتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سادہ اقدامات اٹھانے چاہییں، سادگی اپنانے سے کم تناؤ، آزادی اور اطمینان حاصل ہوگا۔

سیرتِ آقا ﷺ سے زندگی میں سادگی کا سبق

مثلاً: رہن سہن، نشست و برخاست، خورونوش، لباس، اوڑھنا بچھونا، لوگوں سے میل جول اور رکھ رکھاؤ۔

آپ ﷺ کی زندگی کے ظاہری کے علاوہ باطنی پہلوؤں میں سادگی تصنع سے پاک، تواضع و مسکنت اور عجز و انکساری کی شکل میں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ کا یہ طرزِ حیات اضطراری نہیں تھا بلکہ یہ بے تکلف طرزِ معیشت اختیاری تھا۔

۸ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں بندہ اور غلام ہوں، اس طرح کھاتا ہوں، جس طرح ایک غلام کھاتا ہے۔“

ان روایات سے آپ ﷺ کی سادگی، تواضع اور مسکنت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اس بے تکلف طرزِ زندگی کے ذریعے یہ تلا دیا کہ تمام سامانِ راحت ہوتے ہوئے بھی اس طرح کی معمولی زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ آخرت کا دھیان، دنیا کی بے ثباتی، اس کی حقارت و عدم پائیداری اور اللہ کے یہاں موجود لازوال اور ابدی نعمتوں کا یقین رکھنے والوں کے لیے اس سادہ طرزِ حیات کو اپنانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

آپ ﷺ کے اس طرزِ حیات میں ہمارے لیے بھی یہ درس موجود ہے کہ ہم دنیوی ساز و سامان اور اسبابِ راحت کے نہ ہونے پر ملول اور آزردہ خاطر نہ ہوں اور اس کی وجہ سے اپنے آپ کو حقیر و ناتواں نہ تصور کریں۔

غور کیجیے! اگر اُس ذاتِ اقدس کی زندگی کا حال ہے، جس کے نام سے اس دور کی سُپر پاور طاقتیں کانپ جاتی تھیں، بڑے بڑے نامور بادشاہ اور سلاطین جس سے حلیفانہ تعلقات پر فخر محسوس کرتے تھے۔ سارا جزیرۃ العرب جس کے زیرِ تسلط تھا جو بلا شرکت غیر خطہ حجاز کے حدودِ اربعہ کا تنہا حاکم تھا، لیکن اس کا طرزِ حیات اس قدر سادگی سے معمور تھا۔

آج ہم، ہمارے حکمران اور قائدین، اگر آپ ﷺ کی زندگی اور طرزِ حیات میں سے تھوڑی بھی سادگی اپنی زندگی میں لے آئیں تو سارا ملک خوش حالی و فارغ البالی کی مثال بن جائے۔ ربِّ کریم ہم کو دینِ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

NEW

Zaiby

Jewellers CLIFTON

A trusted name in jewellery since 1974

Our creations are crafted to mirror the beauty of your most meaningful chapters.

VISIT OUR STORE TO WITNESS JEWELRY THAT'S AS RADIANT AS YOU

03085888455 021 35835455, 35835488

S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

ام محمد سلمان

پہلی قسط

وہ ہماری دور کی رشتے دار تھیں، ان سے ملنا ملانا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا، وہ بھی کسی تقریب میں۔ ہمیشہ بہت محبت اور اپنائیت سے ملتیں۔ اکثر اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دیتیں۔ ایک بار کسی کام سے ان کے علاقے میں جانا ہوا تو دل چاہا ان سے بھی ملاقات کرلی جائے۔

ہم ان کے گھر پہنچے تو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، بہت محبت سے خیر مقدم کیا اور ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئیں۔ "اب تم آئی ہو تو آرام سے تسلی سے بیٹھو، کھانا بس تیار ہی ہے، کھا کے جانا۔" میں نے لاکھ انکار کیا، مگر وہ اتنی ہی محبت اور اپنائیت سے بضد رہیں۔ سو میں بھی تسلی سے بیٹھ گئی۔ ان کی دونوں بیٹیوں نے مل کر کھانا لگایا، اروی گوشت کا سالن بہت ذائقے دار تھا۔ صاف ستھرے دسترخوان میں لپٹی نرم گرم روٹیاں اور سوجی کا حلوہ۔۔۔ سادہ سی چیزوں میں بے پناہ لذّت تھی۔

ایک چیز مجھے بہت حیران کر رہی تھی، وہ اچھے خاصے مالدار لوگ تھے، لیکن ان کا گھر بہت سادہ تھا (لیکن مضبوط اور صاف ستھرا) ہر چیز قرینے سلیقے سے رکھی ہوئی، مگر کسی چیز سے امارت ٹپکتی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کمرے کا فرنیچر لکڑی کا بنا ہوا عمدہ اور سادہ تھا۔ بستر پہ بچھی چادر بھی کوئی بہت قیمتی نہ تھی، آرام دہ اور ہلکے رنگوں کی۔ گھر میں بہت ساری چیزوں کی بھرمار بھی نہ تھی۔

باورچی خانہ بھی بس ٹھیک ہی تھا۔ تھوڑے سے کیبنٹ لگے ہوئے، ان میں بھی بہت زیادہ سامان نہیں تھا۔ برتنوں کی الماری میں بھی کوئی ڈھیر برتنوں کا نہیں تھا جو تھے وہ بھی درمیانے معیار کے۔

(بچیاں بھی سادہ اور پُروقار لباس پہنے ہوئے تھیں، آج کل کی لڑکیوں کی طرح نہیں کہ تنگ پاجامے، چست قمیص اور گلے میں جھولتے دوپٹے۔)

وہ بڑی خوش دلی سے مجھے اپنا گھر دکھا رہی تھیں اور میں ساتھ ساتھ حیران بھی ہو رہی تھی کیوں کہ میں نے سن رکھا تھا وہ لوگ بہت امیر کبیر ہیں! تو پھر امارت نظر کیوں نہیں آ رہی؟

میں نے حیرت زدہ سے لہجے میں پوچھ ہی لیا۔

"زینب خالہ! میرے شوہر تو آپ لوگوں کے بارے میں بہت کچھ بتاتے رہتے تھے کہ آپ لوگوں کا بہت بڑا کاروبار ہے اور پاکستان کے کئی شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔۔۔! اور ماشاء اللہ کئی غریب گھروں کے چولہے آپ کے دم سے جل رہے ہیں۔ کئی مدارس اور خیر کے کاموں میں کثرت سے خرچ کرتے ہیں۔"

"ماشاء اللہ! اللہ کے فضل اور توفیق سے ایسا ہی ہے بیٹی! وہ ٹھیک کہہ رہے تھے۔" انھوں نے ایک عاجزانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ تائید کی۔

"تو پھر گھر میں ایسا کچھ نظر کیوں نہیں آ رہا؟ دیکھیے آپ برا نہ مانیے گا، میرے کہنے کا مطلب ہے کہ لوگوں کے پاس دولت ہوتی ہے تو نظر آتی ہے۔ گھر بڑے خوب صورت سجے سجائے ہوتے ہیں، رہن سہن بہت اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے، لیکن مجھے ایسا کچھ نظر نہیں آ رہا۔ اس لیے میں تردّد کا شکار ہوں! میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

وہ ہلکے سے ہنس پڑیں

"کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے۔ تمہاری الجھن اپنی جگہ ٹھیک ہے!"

"تو پھر میری الجھن کو سلجھائیے نا خالہ!" میں نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ میں حقیقتاً ان کی اس سادگی کی وجہ جاننا چاہ رہی تھی۔

وہ یوں گویا ہوئیں: "بس میرے شوہر کی صحبت ماشاء اللہ شروع سے ہی بہت نیک، دین دار لوگوں میں رہی ہے تو میرا ملنا جلنا بھی ان کی بیگمات سے ہی زیادہ رہا ہے اور وہ سب ایسی ہی ہیں تو میں بھی اسی رنگ میں رنگتی گئی۔ جب شادی ہوئی جوانی کے دن تھے، ہر چیز کا شوق تھا۔ شوہر بھی ہر خواہش پوری کرتے تھے، مگر خود بڑے سادہ رہتے تھے۔ کھانے پینے میں بھی بس ضرورت کے درجے میں طیب اور عمدہ چیز دیکھتے، لیکن بہت ساری چیزوں کی ہوس نہ کرتے۔ صوم وصلاۃ کے پابند تھے، لیکن مجھ پر کبھی کوئی جبر نہیں کیا، بس دینی محافل میں لے جایا کرتے تھے۔ درس وتدریس میں شرکت کرتی تو میں نے بھی زندگی کا اصل مقصد جان لیا اور پھر بس اسی راہ پر گامزن ہو گئی۔"

"کیا ہے زندگی کا مقصد! کیا اچھا کھانا پہننا، آسائشوں میں رہنا غلط ہے؟ گناہ ہے؟"

"نہیں بیٹی! غلط ہے نہ گناہ ہے۔ نمائش اور تکبر کا جذبہ نہ ہو تو دنیا کی نعمتیں آسائشیں سب استعمال کرنا جائز ہے، کچھ بھی منع نہیں!"

"تو پھر آپ کا گھر، آپ کا رہن سہن اتنا سادہ کیوں ہے خالہ؟"

"کیوں کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے بیٹی! جب ایمان دل میں اتر جاتا ہے تو زندگی خود بخود سادہ ہونے لگتی ہے۔" انھوں نے رسانیت سے کہا۔

"کیسا ایمان بھلا۔ میں نے بڑے بڑے علمائے کرام کے گھر اور ان کی عورتوں کو دیکھا ہے، دنیا کی نعمتوں کو خوب استعمال کرتے ہیں! اور کہتے ہیں کہ جب اللہ نے دیا ہے تو نظر بھی آنا چاہیے۔"

"کتنا نظر آنا چاہیے؟" انھوں نے الٹا مجھ سے سوال پوچھ ڈالا۔ گہری نظروں میں عجیب سا درد تھا۔

میں نے وہی گاڑی بنگلے اور اسٹینڈرڈ کی باتیں دہرا دیں تو وہ دکھ سے ہنس دیں۔ یہ ہماری غلط سوچ کا نتیجہ ہے بیٹی! اب تم نے یہ تذکرہ چھیڑا ہے تو میں کچھ تفصیل سے اس پر روشنی ڈالنا چاہتی ہوں۔ میری کوئی بات بری لگ جائے تو اپنی خالہ کو معاف کر دینا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں خالہ۔۔! مجھے کچھ بُرا نہیں لگے گا آپ کہیے میں ہمہ تن گوش ہوں!"

وہ کہنے لگیں: جب ہم اپنے پیارے رسول ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انتہائی سادگی یہاں تک کہ عسرت نظر آتی ہے۔ ان پر تو دنیا کے خزانوں کو پیش کر دیا گیا تھا بیٹی! مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ وہ چاہتے تو ان کے دائیں بائیں سونے چاندی کے ڈھیر ہوتے، مگر انھوں نے پسند نہیں کیا۔

مدنی دور فتوحات کا زمانہ تھا۔ ان کے پاس کئی جگہوں سے مال آتا، مگر وہ سب کا سب غریبوں مسکینوں میں تقسیم فرما دیا کرتے۔

سوچنے کی بات ہے کہ انھوں نے اپنے لیے دنیا کی فراوانی کو پسند کیوں

بقیہ صفحہ نمبر 21 پر

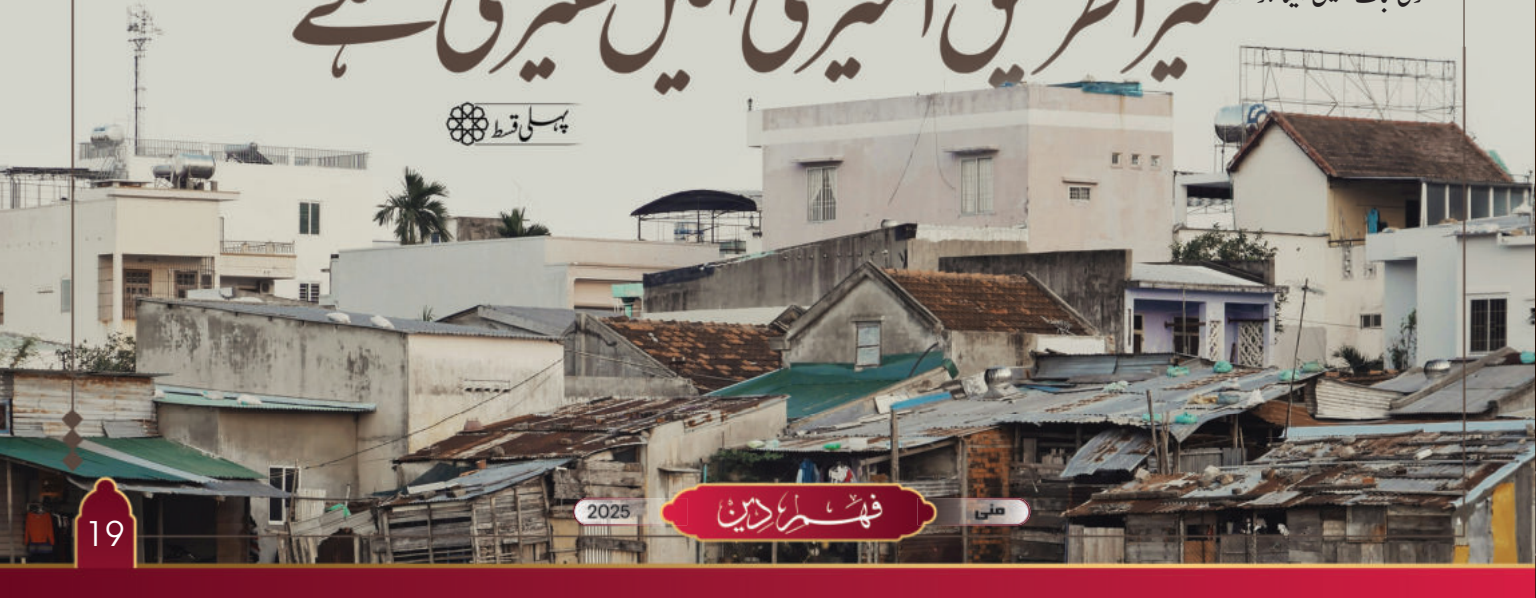

محبت اور ایمان کی جستجو

حنا نور

”بہار! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟“ ہرش نے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے بہار سے پوچھا۔
بہار مسکرادی اور ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی: ”آپ مسلمان ہو جائیں!“
وہ سمجھ رہی تھی کہ ہرش مذاق کر رہا ہے، لیکن ہرش سنجیدہ تھا۔ وہ ”ڈارک شوز“ کمپنی کا مالک تھا، جہاں بہار کام کرتی تھی۔
بہار کا تعلق ایک متوسط طبقے کے خاندان سے تھا۔ اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے اس نے نوکری کا راستہ اپنایا، مگر گھر والے اس کے خلاف ہو گئے تھے۔ ان کے خاندان میں خواتین کا نوکری کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور اگر کوئی لڑکی کام کرنا چاہتی تو اسے ڈاکٹر یا ٹیچر بننے کی اجازت تھی، وہ بھی صرف سرکاری نوکری کی حد تک۔
مگر سرکاری نوکری کا حصول آسان نہیں تھا۔ ایک غریب اور قابل آدمی کے لیے یہ ویسا ہی مشکل ہوتا ہے جیسے ایک گناہگار کے لیے پل صراط پار کرنا۔ دوسری طرف، ایک نااہل امیر شخص رشوت دے کر آسانی سے سرکاری نوکری حاصل کر لیتا ہے۔
یہی وجہ تھی کہ بہار نے سرکاری نوکری کی اُمید چھوڑ دی اور نجی شعبے کا راستہ اپنایا۔ وہ وقت کے ساتھ ساتھ ماحول میں رنگتی چلی گئی اور غیر مسلم خواتین کی طرح اپنا حلیہ بھی بدل لیا۔ دیکھنے والے کو بہار اور دوسری خواتین میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔
ہرش کو معلوم تھا کہ بہار مسلمان ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اسے دل سے پسند کرنے لگا تھا اور شادی کی پیشکش کی تھی۔
”سر! میں مسلمان ہوں۔ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔“ بہار نے واضح جواب دیا۔
ہرش غصے سے بولا: ”مسلمان۔۔۔؟ تم میں کون سی مسلمان ہونے والی بات ہے؟ کیا تم نماز پڑھتی ہو؟ پردہ کرتی ہو؟ کوئی ایک کام بتاؤ جو تمہیں مسلمان ثابت کرے!“ ہرش کا غصہ اور تلخ الفاظ بہار کے دل پر نشتر بن کر چبھ گئے۔ وہ دَم بخود کھڑی تھی، جیسے کسی نے اسے سنگسار کر دیا ہو۔ اس کے لب خاموش ہو گئے اور آنکھوں میں بے بسی کے آنسو چمکنے لگے۔ اس نے خاموشی سے اپنا سامان اٹھایا اور آفس سے باہر نکل گئی۔
”بہار رُکو، میں معذرت چاہتا ہوں!“ ہرش نے آواز دی، لیکن بہار اس کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے رکشے میں بیٹھ گئی۔ اس کے آنسو بہتے جا رہے تھے، لیکن وہ اپنے درد کا اظہار کرنے سے قاصر تھی۔

◆◆◆

گھر پہنچ کر، بہار سیدھا اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند کر لیا۔ اس کے دماغ میں ہرش کے الفاظ گونج رہے تھے، ”تم میں کون سی مسلمانوں والی بات ہے؟“ وہ ان الفاظ سے چھٹکارا پانے کی ناکام کوشش کرتی رہی اور بے بسی سے رو پڑی۔
یہ آنسو غصے کے تھے یا پچھتاوے کے۔۔۔؟ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ وہیں قالین پر بے ہوش ہو کر سو گئی۔ رونے کے بعد نیند بھی عجیب سکون دیتی ہے، جیسے ماں اپنی بانہوں میں بچے کو سلا دیتی ہے۔

◆◆◆

”پتا نہیں کیا ہوا ہے، لڑکی جب سے آئی ہے، کمرے سے باہر نہیں نکلی۔“ سدرہ بھابھی نے نند سے کہا۔
شگفتہ ان کی باتیں سن رہی تھی اور دل ہی دل میں بہار کی فکر میں گھل رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سدرہ اور خاندان والے بہار کی نوکری کو معیوب سمجھتے ہیں اور یہ طعنے اسے اور بہار کو کب سے سہنے پڑ رہے تھے، لیکن بہار نے ہمیشہ سے خاندان کی باتوں کو نظر انداز کیا اور اپنے خوابوں کے پیچھے بھاگتی رہی۔

◆◆◆

حیّ علی الفلاح۔۔۔ حیّ علی الفلاح۔۔۔
اذان کی آواز نے بہار کو جگا دیا۔ اس نے بڑی محبت سے اذان سنی، اذان کا جواب دیا۔ پھر وہ اُٹھی، وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔
”یا اللہ! میں نہیں جانتی کہ دعا کیسے مانگی جاتی ہے، مگر یہ جانتی ہوں کہ تو میرے دل کی گہرائیوں کو جانتا ہے۔“
اس نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور آنکھوں سے ٹپکتے آنسوؤں کے ساتھ دعا کی، ”یا ربّی! میں اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوں، مجھے بخش دے، میرے دل میں چھپے رازوں سے آگاہ ہے۔ میں دنیا کی محبت میں گم ہو گئی تھی، اپنے باطن کو بھول گئی۔ گناہوں نے میری روح کو کمزور کر دیا ہے، مجھے اپنی محبت میں مبتلا کر دے۔“
اس کے الفاظ کی قوّت اور آنسوؤں کی ندی نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا۔ وہ اطمینان کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے لگی، جیسے کہ دل کی ساری کدورتیں اس میں دھو دی جائیں گی۔

◆◆◆

چار سال بعد۔۔۔
ان چار سالوں میں بہت کچھ تبدیل چکا تھا۔ بہار نے اپنی نوکری چھوڑ دی تھی اور ایک دین دار خاتون بن چکی تھی۔ وہ فرض نماز کے ساتھ نفل کی پابند تھی اور شرعی پردے کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اس کی محنت نے اسے ایک باعزت مقام دلا دیا تھا، لیکن خاندان کے لوگوں کی نظر میں وہ اب بھی ”بُری“ ہی تھی۔ بہار نے گھر میں بیٹھ کر چادریں بنانا شروع کر دیا تھا، جو آہستہ آہستہ مشہور ہو گئیں۔
اب اس کے پاس اپنی ایک چھوٹی سی دکان تھی، جہاں وہ چادریں اور دیگر دستکاری کے سامان بیچتی تھی۔ بہار کا کام اتنا مشہور ہو چکا تھا کہ اس کے پاس عزت کے ساتھ پیسہ بھی آ گیا تھا، لیکن اس کی عاجزی اور انکساری میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس نے اپنا گھر بھی بنا لیا تھا، جہاں وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی۔ بہت سے رشتے اس کے لیے آئے، مگر وہ کسی ”کامل مؤمن“ کی تلاش میں تھی۔
اس دوران میں بہار اور اس کی ماں کو اللہ تعالیٰ نے عمرے کی سعادت نصیب کی۔ وہ دونوں خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہی تھیں۔ وہاں کا ماحول اور روحانیت ان کے دلوں کو سکون بخش رہی تھی۔

◆◆◆

عبداللہ، جو پہلے ہرش کے نام سے جانا جاتا تھا، خانہ کعبہ کی زیارت کے دوران اپنے دل کی دعا

مانگ رہا تھا۔ اُس نے اللہ کی طرف نظر اٹھا کر دل کی گہرائیوں سے کہا: ”یا اللہ! مجھے بہار سے ملا دے!“ وہ کافی بدل چکا تھا، لیکن اس کی محبت بہار کے لیے آج بھی ویسی ہی تھی۔

چند دنوں پہلے عبداللہ نے سُن رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہر دعا کو قبول کرتا ہے۔ اس نے بہار کو ڈھونڈنے کی کوشش کی اور اس کی محبت نے اسے اسلام کی طرف مائل کیا۔ اس نے اسلام قبول کر کے کفر کی تاریکیوں سے نکل کر ایک نئی روشنی میں قدم رکھا اور ہرش سے عبداللہ بن گیا۔ اس کا دل سکون پا چکا تھا اور اس نے محسوس کیا کہ اللہ کی ہدایت اس کے ساتھ ہے۔

بہار اور اس کی ماں خانہ کعبہ کے صحن میں تھیں۔ ایک پُر سکون اور بابرکت ماحول میں وہ لوگ اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ اچانک، بہار کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھا، اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول تھا۔

”ہرش؟“ بہار نے حیرت سے کہا۔

عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا: ”جی، میں اب عبداللہ ہوں۔ اللہ نے مجھے ہدایت دی ہے۔“

بہار کا دل دھڑک اُٹھا۔ اس کے ذہن میں کئی سوالات تھے، مگر اس نے سمجھا کہ بلاوجہ نامحرم سے بات کرنا حرام ہے۔

”بہار! میں تمہیں کب سے بلا رہی ہوں، تم یہاں کیوں کھڑی ہو؟“ شگفتہ نے بہار کو آواز دی، لیکن بہار کی توجہ عبداللہ کی طرف تھی۔

شگفتہ نے عبداللہ کو پہچان لیا۔ ”کیا آپ مسلمان ہوگئے ہیں؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”جی ہاں، الحمدللہ! اللہ کی رحمت سے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔“ عبداللہ نے خوشی سے جواب دیا۔

شگفتہ نے بہار کی طرف دیکھا اور پھر عبداللہ سے باتیں کرنے لگی۔ ان کی بات چیت میں بہت سی باتیں تھیں جنھیں سن کر بہار کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

”بہار بیٹی! جس طرح تمہاری باتوں کا اثر ہرش پر ہوا، اسی طرح تمہاری پیشکش نے اس کی زندگی کو اسلام کی طرف مائل کیا۔“ شگفتہ نے بہار کو سمجھایا۔

شگفتہ نے بہار کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ ”مجھے لگتا ہے کہ جس ”کامل مؤمن“ کی تمھیں تلاش تھی، وہ تمھیں مل گیا ہے۔“ یہ سن کر بہار اپنی ماں کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

”نہیں امی، ایسا نہیں ہو سکتا!“

”کیوں نہیں ہو سکتا؟“

”ہر ولی کا ماضی اور ہر گناہ گار کا مستقبل ہوتا ہے۔“ شگفتہ نے جواب دیا۔

بہار نے اپنی ماں کی باتوں پر غور کیا اور پھر نکاح کے لیے رضامند ہوگئی۔

مدینے میں جمعے کے روز ان کا نکاح ہوا۔ عبداللہ نے بہار کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا: ”کیا تم نے مجھے معاف کر دیا ہے؟“

بہار نے مسکرا کر ہاں میں سر ہلایا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر یہ آنسو خوشی کے تھے۔

”بہار! تمہاری محبت نے مجھے اللہ سے ملا دیا۔“ عبداللہ نے کہا اور وہ دونوں مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔

بہار کی زندگی میں واقعی بہار آ گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اور اس نے دل میں محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کی دعا کو رد نہیں کرتا۔ اسی طرح دونوں کی محبت اور ایمان نے انھیں ایک نئی زندگی کی طرف گامزن کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہدایت کی راہ پر چلنے کا موقع دیا اور ان کی زندگیوں میں خوشیوں کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

بقیہ

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

نہیں کیا؟ کیوں پیٹ پہ پتھر باندھ کے گزارا کیا؟ کیوں ایک دن کھاتے اور ایک دن بھوکے رہتے تھے؟ کیوں ان کے گھروں میں دو دو ماہ تک چولہے نہیں جلتے تھے؟ کیوں کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا! کیوں ان کا لباس فاخرانہ نہیں تھا؟ کیوں ان کے حشم و خدم نہیں تھے؟ آخر انھوں نے اپنے لیے ایسی زہد والی زندگی کا انتخاب کیوں کیا؟

”کیوں کیا خالہ؟“ میں نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں پوچھا۔ (سچ تو یہ ہے میرا دل اندر سے دہل گیا تھا)

”کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اسلام کی اصل روح کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں!! ان پر قرآن نازل ہوتا تھا، وہ نہ سمجھتے تو کون سمجھتا؟“

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الأنعام:32)

”اور دنیوی زندگی (کی عیش و عشرت) کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم (یہ حقیقت) نہیں سمجھتے!!“

اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ ان کا لاڈلا آخری نبی اس دنیا میں دولت مندوں کی طرح زندگی گزارے! اللہ نے جیسا چاہا نبی علیہ السلام نے ویسا ہی کر کے دکھایا تو ربُّ العالمین نے قرآن میں ان کے اسوۂ حسنہ کو کامیابی کی دلیل بتا دیا، فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے۔

اور ان کی پوری زندگی تو ہم سب کے سامنے ہے۔ زہد و تقویٰ سے معمور زندگی! دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد سے بھرپور زندگی!

جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو چراغ میں تیل ڈالنے کے لیے پیسے نہیں تھے، مگر دیوار پر نو تلواریں لٹکی ہوئی تھیں۔ انھوں نے دنیا کی دولت کو اپنی ذاتی آسائشوں پر نہیں بلکہ دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے استعمال کیا!!

ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع تو نہیں کیا دنیا کی آسائشیں استعمال کرنے سے اور دھڑا دھڑ دنیا اپنے گھروں اور دلوں میں لادے چلے جاتے ہیں، مگر یہ نہیں دیکھتے کہ خود انھوں نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کیا پسند کیا! دنیا کوئی اتنی ہی اچھی چیز ہوتی تو میرے حبیب ﷺ اس دنیا کو ایسے نہ جھڑکتے۔۔۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ نماز کے دوران حضور اکرم ﷺ نے کسی چیز کو پیچھے کی طرف ایسے دھکیلا جیسے کسی سے بچنے کے لیے دھکیلا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دنیا میری طرف مجسّم ہو کر آئی تھی اور میں نے اسے دھتکار دیا۔“

مگر افسوس ہے کہ ہمارے یہاں اچھا بھلا دین دار طبقہ بھی اپنی عیش کوشی کو قرآن کی اس آیت سے بیان کرتا ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

قرآن کے معانی و مطالب کو ہم زیادہ سمجھتے ہیں یا وہ جن پر یہ نازل ہوئی!!! اور وہ تمام بابرکات ہستیاں جنھوں نے خود براہِ راست حضور اکرم ﷺ سے اس کتاب کی تعلیمات حاصل کیں۔ چاروں خلفائے راشدین کی زندگیوں کو دیکھو، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اور صحابہ کی ایک کثیر جماعت کو جو اسی فارمولے پر عمل پیرا تھی جو رسول اللہ کی روشن و تابندہ زندگی سے سیکھا تھا!

جاری ہے

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹراساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی / پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

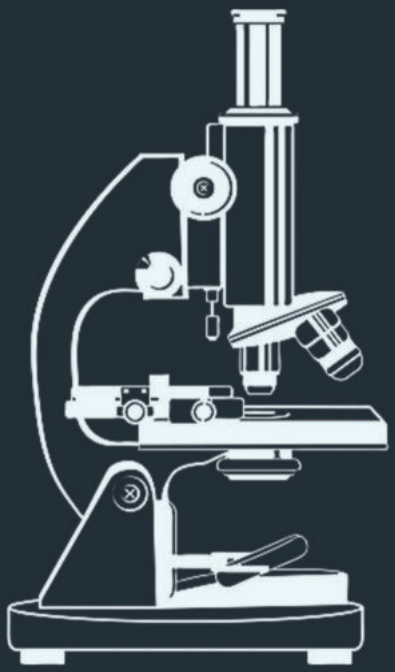

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز
مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی
PSO پمپ سے متصل کراچی۔

زندگی اور زنجیریں

شمائلہ شکیل

گرد و غبار سے اٹا محل نما گھر جو یقینا کبھی بہت دل کش نظر آتا ہو گا، اسی کے ایک کمرے میں وہ سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ نگاہ سامنے لگی پینٹنگ پر ٹھہر سی گئی۔ ایک کچے باورچی خانے میں عورت یقینا ناشتا بنا رہی تھی کیوں کہ اس کے آگے چار بچے اسکول یونیفارم میں بیٹھے تھے، جن کے پاس چائے کے کپ اور چنگیر میں پراٹھے رکھے تھے۔ مٹی کے چولہے میں لکڑیاں جل رہی تھیں۔ عورت کے ہاتھ میں روٹی تھی جسے وہ توے پر ڈالنے کے لیے بڑا کر چکی تھی۔ اس کے نزدیک سفید رنگ کے صاف ستھرے اور بے شکن لباس میں ایک مرد (کہیں جانے کے لیے تیار) جھک کر کھڑا تھا، اس کے چہرے پر غصہ نمایاں تھا اور ایک ہاتھ تھپڑ کے انداز میں عورت کے گال پر تھا۔ خاتون کی آنکھوں میں آنسو اور بے بسی صاف نظر آ رہی تھی۔

اس نے اس منظر سے بمشکل نگاہ ہٹائی جو سیدھی سائیڈ ٹیبل پر موجود ڈائری پر جا ٹھہری، جسے کھولنے کے لیے اس کا دل مچل اٹھا جو صفحہ سامنے آیا نظریں اس پر پھسلتی چلی گئیں۔ لکھا تھا:

مجھے سبق یاد نہیں ہوتا، اس لیے میں حفظ نہیں کرنا چاہتا، مگر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا، اس لیے آج میں مدرسے سے بھاگ آیا اور والد صاحب کے ڈر سے گھر آنے کی بجائے نہر پر چلا گیا۔ وہاں مجھے کسی جاننے والے نے دیکھ لیا اور جا کر والد صاحب کو بتا دیا۔ وہ بے حد غصے میں بھرے ہوئے آئے۔ انھیں دیکھ کر میرا ننھا سا دل لرز کر رہ گیا۔ گھر لے جا کر انھوں نے مجھے اتنا مارا کہ دوبارہ بھاگنے کا خیال تک دل میں نہیں آیا۔ اس نے بے اختیار ڈائری بند کر دی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ برآمدے کی دیوار پر جا بجا شیٹیں اور پینٹنگ چسپاں تھیں۔ ایک تصویر نے اس کے قدم روک لیے۔ ایک کچا گھر ہے۔ رات کا وقت ہے۔ چاند کی روشنی ہر سو پھیلی ہے، لیکن اس عورت کی زندگی میں اندھیر مچا ہے۔ صحن میں بہت سی چارپائیاں ہیں۔ وہاں ایک مرد کھانا پکانے والے بڑے چمچ سے اس کی کمر پر مار رہا ہے اور وہ زمین پر گری ہوئی ہے۔ باقی لوگ تماشائی بن کر دیکھ رہے ہیں۔

"اف! یہ میں کہاں الجھ گیا۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی خالی دیواروں کو دیکھ کر اس نے سکھ کا سانس لیا، لیکن یہ کیا۔۔۔! پیروں کو فرش پر مٹی کی موٹی تہوں تلے دبی کتابوں کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے نیچے بیٹھا اور گرد ہٹا کر کتابیں نکالنے لگا۔ جھاڑ کر ٹائٹل دیکھا "دوست کا دھوکا" دوسری پر "روزگار کے غم" درج تھا۔ وہ ان کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، ہوش تو تب آیا جب فجر کی اذان ہوئی۔ وہ چونک کر باہر نکل آیا۔ نا جانے کتنی ہی راتیں ایسی گزر چکی تھیں۔

◆◆◆

وہ کوئی بھی کام دھیان سے نہیں کر پاتا تھا۔ یادداشت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ اس نے گھر کی صفائی کرنے کی ٹھانی، لہٰذا خواب گاہ سے شروعات کی۔ ڈائری پینٹنگ اور کتابیں سب اٹھا اٹھا کر اُجڑے، ویران اور زندگی سے خالی لان میں لا کر ڈال دیا۔ مٹی اور جالے صاف کر ڈالے۔ پورا دن کام میں جتے رہنے کے باوجود دور دور تک تھکن کا نام و نشان تک نہ تھا، بلکہ وہ بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ تازہ دَم ہو کر چائے پی اور چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

◆◆◆

اس نے سونے کے لیے کمرے میں قدم رکھا۔ لائٹ جلاتے ہی نظریں خالی دیواروں سے ٹکرا کر پلٹیں اور سائیڈ ٹیبل کے سونے پن پہ ٹھہر سی گئیں۔ اس نے مسہری پر لیٹتے ہوئے سوچا کہ آج بڑی پر سکون نیند آئے گی، مگر وہ کروٹیں بدلتے بے زار ہو گیا۔ آنکھیں جس کا انتظار کر رہی تھیں دور دور تک اس کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ تنگ آ کر اُٹھ بیٹھا۔ پھر اس کے قدم لان کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ ڈائریاں، پینٹنگ وغیرہ کمرے میں منتقل کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں وہ صفحہ کھولے بیٹھا تھا۔ لکھا تھا: بہت دنوں سے شوہر دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔ گھر کا راشن ختم ہو چکا تھا۔ بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ آج دیور گھر آیا تو کہنے لگی: "شہر سے کچھ سامان لا دو، ہم بہت مشکل میں ہیں۔

"اپنے شوہر سے منگوا لو، میں نے ٹھیکا نہیں لے رکھا تمہارے کاموں کا۔۔۔" اولاد کی طرح نازوں سے پالے ہوئے دیور کے منہ سے ایسا جواب سن کر وہ پتھرا سی گئی۔

اس نے صفحہ پلٹا۔۔۔

"کبھی اپنی لکھائی دیکھی ہے، لگتا ہے گویا مکوڑوں کی قطاریں ہیں۔ ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔"

ہم جماعت لڑکوں کی آواز اور قہقہے اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ اس نے گہرے گہرے سانس لے کر خود کو پُر سکون کیا اور دھیان بٹانے کے لیے کمپیوٹر پر ایک ویڈیو چلا دی۔ گچی کیچڑ زدہ سڑک پر ایک بچہ ارد گرد سے بے نیاز سکے سے کھیلتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اچانک سکہ اچھل کر گارے میں غائب ہو گیا۔ بچہ کچھ دیر بے یقینی کی کیفیت میں کھڑا رہا، پھر جھک کر دائیں بائیں تلاش کرنے لگا، مگر سکے کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ وہ تھک ہار کر مرے مرے قدموں سے واپس چل پڑا۔ چند منٹ بعد وہ ایک کچے مکان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے لکڑی کے دروازے کو دھکیلا اور ڈرتے ڈرتے مٹی کے صحن میں قدم رکھ دیا۔ سیدھے ہاتھ پر ایک کمرہ تھا، جس میں سات آٹھ، چھوٹے بڑے بچے جمع تھے۔ وہ بھی سہما ہوا اس کمرے میں چلا آیا۔

بقیہ صفحہ نمبر 25 پر

بلا عنوان

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد

اُن کے یہاں پہلی مرتبہ بدیس سے فرنگی مہمان آ رہے تھے۔ پورے گھر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بہوؤں نے بیٹوں کے کان کھانا شروع کر دیے، ہوتے ہوتے بات گھر کی سربراہ کے کانوں میں جا پہنچی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تم لوگوں کا، ارے چار دن کے مہمانوں کے لیے اتنی تگ و دو؟"

"اماں! ہمارے پاس پیسے نہیں، مگر ہم دکھاوا تو کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس پیسے ہیں۔ اسی میں ہماری عزت ہے!"

"شفقت! اس عزّت میں عزّت نہیں ہے، جھوٹی عزّت ہے۔ یہ دکھاوے کا بخار جو چڑھ رہا ہے پہلے چور بن کے تمہارے بدن میں گھسے گا، پھر یہ مہمان بن کر تمہارے دل میں رہے گا۔ آخر میں تمہارے دل و دماغ پر قابو پا کر تمہارا مالک بن جائے گا اور تم بن رہو گے اس دکھاوے کے نوکر۔"

نئے دور کی نمود و نمائش کی دلدادہ بہوؤں کو بوڑھی ساس کی وعظ و نصیحت ہضم نہ ہوئی۔ امارت کے دکھاوے کے چکر میں بڑی دُلہن اپنی بہن سے طلائی زیورات ادھار مانگ لائی تو منجھلی دُلہن نے بنارسی کامدانی ساڑھیاں پڑوسیوں سے مستعار لے لیں۔ چھوٹی دُلہن بھلا کیوں پیچھے رہتی، اس نے برانڈڈ میک اپ کٹ سہیلی سے استعمال کے لیے منگوالی۔

صبح ڈرائنگ روم کا نقشہ بدل چکا تھا۔ پردے، صوفے مخملیں قالین، اماں دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

"یہ کیا؟"

"اماں جان! ریشمی پردے۔۔۔"

"پردے! جو تمہاری عقل پر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ سب گول مال کے لیے پیسے کہاں سے آئے؟"

"بات یہ ہے ہم کچھ چیزیں کرائے پر لائے ہیں، جیسے ہی مہمان یہاں سے چلے جائیں گے ہم لوٹا دیں گے۔"

بڑا بیٹا گلا کھنکھارتے ہوئے بولا تو دوسرے بیٹے نے فوراً کہا: "کچھ چیزیں ہم مہینے کے حساب سے لائے ہیں یعنی انسٹالمنٹ پر۔"

تیسرے بیٹے کو بیوی نے ٹھوکا دے کر بولنے پر مجبور کیا: "اور کچھ چیزیں ہم ادھار لائے ہیں یعنی آن کریڈٹ۔"

اماں سر پکڑ کر بولیں: "جتنا ہضم ہو سکے، بس اتنا ہی کھاؤ۔ زیور، کپڑے لتے کبھی ادھار نہ لو۔ نہیں تو پچھتاؤ گے۔"

اپنی مٹی پہ چلنے کا سلیقہ سیکھو — سنگِ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

بیٹوں کی سمجھ دانی میں اس وقت تو یہ بات نہیں بیٹھی، مگر جب اس دکھاوے کے چکر میں وہ خوب گھن چکر بنے اور پانی سر سے اونچا ہو گیا، تب انھوں نے مانا کہ ہماری بہشتی اماں صحیح کہا کرتی تھیں کہ نیت کتنی بھی اچھی ہو دنیا تم کو تمہارے دکھاوے سے جانتی ہے اور دکھاوا کتنا اچھا ہو اللہ تمہاری نیت سے جانتا ہے۔

انسانی زندگی کا نظام "کچھ لو اور کچھ دو" کے اصول پر قائم ہے۔ اگر انسانوں میں یہ لین دین ختم ہو جائے تو زندگی کی نبض رُک جائے۔ لین دین کی بنیاد اندھے اعتماد اور بھروسے پر ہوتی ہے۔ آپ کو اچانک اگر کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو آپ یقیناً کسی صاحبِ حیثیت دوست سے رجوع کرتے ہیں اور اس سے یا تو وہ چیز خریدتے ہیں یا مستعار لے لیتے ہیں اور اسے یقین دلاتے ہیں کہ فلاں دن یہ چیز اسے لوٹا دی جائے گی۔ یوں قرض لینے اور دینے والے کے درمیان چور سپاہی یا چوہے بلی کا نہ ختم ہونے والا کھیل شروع ہو جاتا ہے۔

دِکھاوے کے لیے ادھار میں مانگے زیور، جوتے، کپڑے پہن کر اکڑنے والے افراد جن میں اکثر رشتہ دار، دوست اور پڑوسی ادھار دینے والے کے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور مستعار لی گئی چیزیں واپس نہیں کرتے۔ بابا جی ایسے ٹھگوں سے جان چھڑانے کا طریقہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں: "تھوڑی رقم یا چھوٹا ادھار دے کر بڑے ادھار دینے سے بچ جائیں۔ وہ بندہ نہ چھوٹا ادھار واپس کر سکے گا اور نہ ہی واپس آئے گا بڑے ادھار کے لیے۔" بابا جی مزید فرماتے ہیں کہ "نیکی کر کے ناراضی مول لینے سے ہزار گنا بہتر ہے دِکھاوے کے ماروں کو ادھار میں چیزیں نہ دیا کر، ویسے ہی ناراض ہو جائیں۔" لہٰذا ادھار سوچ سمجھ کر دیجیے، کیوں کہ ادھار دینے کے بعد اکثر اپنے ہی پیسے بھکاری بن کر مانگنے پڑتے ہیں اور ادھار لینے والا سیٹھ بن کر تاریخ پر تاریخ دیتا ہے۔

اکثر خواتین میکے کا جھوٹا بھرم رکھتے ہوئے خوب دِکھاوے کرتی ہیں، خود ہی سامان خرید کر ایک ایک کو بتاتی ہیں کہ میرے میکے سے دیکھو تو کتنی شاندار عیدی آئی ہے۔ بھولی خواتین! میکے یا سسرال میں جو خصوصی پروٹوکول (مراعات) آپ کو نہیں ملتا۔ اس کا جھوٹا چرچا یا دِکھاوا نہ کیا کیجیے۔ خدا کو مانیں! بھرم قائم رکھنے میں اور جھوٹ بولنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

دِکھاوا اسے کہتے ہیں جو بظاہر نظر تو کچھ اور آ رہا ہو، لیکن در حقیقت وہ کچھ اور ہو، یعنی ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔ دورِ حاضر میں ہر دوسرا شخص کسی نہ کسی دِکھاوے یا ریاکاری میں مصروف ہے۔ ہر دوسرا انسان دوسرے پر سبقت لے جانے کے چکر میں دِکھاوا کر رہا ہے۔ اپنی حیثیت اور اوقات سے بڑھ کر شادی بیاہ میں لین دین کرتا ہے تو کوئی اپنی استطاعت سے زیادہ صدقہ و خیرات کرتا ہے اور کوئی خود کو حد سے زیادہ امیر و کبیر ثابت کرنے کے لیے قرضہ وادھار لے کر دوست سے اچھا لائف اسٹائل اپنا رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جو عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرنے کی غرض سے کی جاتی تھی، اب لوگ ان میں بھی ملاوٹ اور دِکھاوا کرتے تاکہ معاشرے میں لوگ ان کو نیکوکار اور پرہیز گار کہہ کر پکاریں۔ دِکھاوا انسان کی حقیقت چھپا کر کھوٹے سکے پر ملمع چڑھا دیتا ہے۔

آج ہمارے ہر عمل میں نرا دِکھاوا ہے۔ حج عمرہ کرنے جاتے ہیں تو سیلفیاں بنانے میں مشغول، روزہ رکھتے ہیں تو اسٹیٹس فوراً لگاتے تاکہ لوگوں کو پتا چل سکے آج ہم نے روزہ رکھا ہے۔ قربانی کے جانور خریدنے میں دِکھاوا۔۔۔ غرض ہمارا عمل فقط دِکھاوے کی حد تک رہ گیا ہے اور دِکھاوے کی عبادت ہمارے منہ پر دوبارہ مار دی جاتی ہے۔ آپ چاہے جتنی بھی نیکیاں کر لیں، لیکن اگر آپ کی نیت میں رتی برابر بھی دکھاوا یا تکبر ہے تو وہ عمل آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ "کیا خوب سلجھے کہ دِکھاوے میں اُلجھے۔"

راڈو کی مہنگی گھڑی آپ کی حماقت کا سر کچل سکتی ہے۔ محفل میں آپ کے سستے لطیفے پر مجمع قہقہہ لگا دیتا ہے۔ آپ ہجوم سے گزرتے ہاتھ میں تسبیح گھماتے ہوئے گزر جائیے کوئی تو متقی سمجھ ہی لے گا۔ آج کل daily vlogging کا عجب ٹرینڈ چل پڑا ہے، جسے دیکھو روٹی بوٹی کھاتے، سوتے جاگتے ہوئے اپنی ویڈیو دنیا بھر میں نشر کر رہا ہے۔ دِکھاوے کی دوڑ میں ہر طبقے کے لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ ایک عمرے پر گیا تو سارے وی لاگرز عمرے کی ویڈیو جاری کرنے لگے، حد ہو گئی۔ ایک نے برتھ ڈے منانے کی ابتدا کی تو ان کی دیکھا دیکھی کیا امیر کیا غریب، سب ہی اس اندھی ریس میں سرپٹ دوڑنے لگے۔

حقیقت میں قابلِ قدر ہیں وہ لوگ جو اپنے کپڑوں کے برانڈ کے متعلق شیخیاں نہیں بگھارتے، جو غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں، لیکن مساکین کو دی گئی خیرات، زکوٰۃ کی تصاویر کو سوشل میڈیا پر ڈال کر نیکی کا چرچا نہیں کرتے، جو اکثر اوقات گھر کی بجائے مشہور و معروف ہوٹلوں میں کھانا کھاتے ہیں، مگر انواع واقسام کے کھانوں سے سجی میز کی تصاویر سوشل میڈیا پر ڈال کر خود کو ارب پتی ظاہر نہیں کرتے، جو دنیا بھر کی سیاحت کرتے ہیں، مگر سوشل میڈیا پہ نہیں لکھتے کہ "میں فلاں ہوائی اڈے پر فلاں ملک جانے کے لیے وی آئی پی لاؤنج میں بیٹھا ہوں۔" انھیں اپنے ساتھ جڑے دوستوں کے جذبات و احساسات کا خیال ہوتا ہے۔

یہی ہیں وہ نفسِ مطمئنہ اور بے ریا لوگ جنھوں نے اپنی زندگی سے صحیح معنوں میں لطف اٹھایا اور انھوں نے روز مرّہ زندگی میں یا سوشل میڈیا پر لوگوں کو دِکھانے کی پروا کیے بغیر اپنی نجی زندگی کی رازداری برقرار رکھتے ہوئے اپنی حیات کے ہر لمحے سے خوشی کشید کی۔

ایک فوٹو گرافر نے اپنی دکان کے باہر بورڈ لگایا ہوا تھا، جس پر درج ذیل تین جملے لکھے ہوئے تھے۔

1۔ بیس روپے میں آپ جیسے ہیں، ویسی تصویر بنوائیں۔

2۔ تیس روپے میں آپ جیسا سوچتے ہیں، ویسی تصویر بنوائیں۔

3۔ پچاس روپے میں آپ لوگوں کے سامنے جیسے دِکھنا چاہتے ہیں، ویسی تصویر بنوائیں!

مرنے سے پہلے اسی فوٹو گرافر نے بتایا کہ مجھ سے ہمیشہ لوگوں نے پچاس روپے والی تصویر بنوائی ہے، یعنی اکثر لوگ پوری زندگی دوسروں کو دِکھانے کے لیے گزار دیتے ہیں، ساری زندگی دِکھاوا کرتے ہیں۔

ہماری مانیں! آپ جیسے بھی ہیں، بہت اچھے ہیں۔ بیس روپے والی آسان اور حقیقی زندگی گزاریں زیادہ خوش رہیں گے۔

بقیہ

زندگی اور زنجیریں

"میری چیز لائے؟؟؟" ایک پندرہ، سولہ سالہ لڑکی سخت تیور لیے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"وہ۔۔وہ۔۔۔سکہ گم ہو گیا۔ میں نے بہت ڈھونڈا مگر۔۔۔"

"جھوٹ! چیز تم خود کھا گئے ہو۔" وہ اس کی بات کاٹ کر دھاڑی اور حکم جاری کیا کہ

"دوبارہ جاؤ اور ڈھونڈ کر لاؤ" وہ چلا گیا، مگر تھوڑی ہی دیر میں خالی ہاتھ واپس چلا آیا۔

"کیا ہوا سکہ ملا؟؟؟" لڑکی تیر کی طرح اس کی طرف آئی اور غصے سے گھورتے ہوئے بولی:

"نن نہیں نہیں۔۔"

لڑکی نے جھک کر ایک ہاتھ سے اپنے پاؤں سے جوتا اتارا، جبکہ دوسرے ہاتھ سے اس بچے کو کھینچ کر زمین پر بٹھا دیا۔

"چلو! سب لوگ اپنے اپنے جوتے اتارو اور اس کے سر پر مارو۔"

یہ کہتے ہی لڑکی نے اپنا جوتا بچے کے سر پر مار کر اس ظالمانہ شیطانی کھیل کی ابتدا کر دی۔ یہ دیکھ باقی بچے بھی جوش و خروش سے اس میں حصہ ڈالنے لگے۔

اسکرین تاریک ہو گئی۔ سارے منظر غائب ہو چکے تھے، مگر وہ ابھی تک اس کے زیرِ اثر تھا۔

چند دن ہی گزرے تھے کہ اس نے تنگ آ کر دوبارہ سب سامان اٹھا کر پھینک دیا۔ کچھ دن سکون سے گزرے، مگر پھر وہی سب کچھ۔۔۔ اب تو یہ معمول بن چکا تھا۔ ڈوبنا، ابھرنا، ابھر کر ڈوبنا جاری تھا۔

وہ آفس کے کام کرتے کرتے تھک گیا تو ذہن کو آرام دینے کی غرض سے آنکھیں بند کر کے سر کرسی کی پشت سے ٹکا لیا۔

"تم بے وقوف ہو۔"

"اسے بالکل عقل نہیں ہے۔"

"اسے اتنا بھی نہیں پتا چلتا کہ کون سا کام کب کرنا ہے۔ کس وقت کیا بات کرنی ہے۔"

"بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں ہے۔"

"دس کی جگہ سو خرچ کر دیتا ہے۔ سو کی چیز ڈیڑھ سو میں لے آتا ہے۔"

"ایک کلو منگواؤ تو چار کلو اٹھا لاتا ہے۔"

"کوئی کام کہو تو خراب کر دیتا ہے۔"

ایک شور سا مچا ہوا تھا۔ بہت سے چہرے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ منظر تیزی سے بدل رہے تھے۔

"خاموش!!۔۔خاموش!!۔۔۔بالکل خاموش!!۔۔۔۔ایک دَم چپ!!۔۔۔"

اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ وہ خالی الذہنی سے سامنے دھری فائلوں کو دیکھنے لگا۔

"مجھے اس سب سے پیچھا چھڑانا ہو گا۔ زندگی ماضی، حال اور حال و ماضی کے درمیان اُلجھ کر رہ گئی ہے۔ میں اس کے بیچ پنڈولم کی طرح ادھر سے ادھر لڑھکتا رہتا ہوں، لیکن کب تک؟ آخر مجھے کوئی حتمی فیصلہ کرنا ہو گا۔ میں باہر پھینکے کباڑ کو پھر اُٹھا لاتا ہوں اور کسی خزانے کی طرح سنبھال لیتا ہوں۔ جب دوبارہ اس کے زہر کا ادراک ہوتا ہے تو نئے سرے سے دفنا دیتا ہوں۔ اس کی عادت نشے کی طرح بے بس کر کے قبروں کے مردے گھر لانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ میں اتنی محنت کے باوجود بھی کچھ حاصل نہیں کر پایا۔ سالوں کی مسافت طے کر کے بھی وہیں کھڑا ہوں۔ میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں، لیکن میرا ہر راستہ پیچھے کو جاتا ہے، مگر اب نہیں۔۔۔ بس بہت ہو گیا"

وہ ایک بہت بڑا لکڑی کا دروازہ ہے اور کھلا ہوا ہے، جس کے اُس پار صرف اندھیرے کا راج ہے۔ اس نے اپنی ڈائریاں تاریکی کے سپرد کر دیں۔ پینٹنگ پر نگاہ پڑی تو انھیں بھی دروازے کی دوسری جانب پہنچا دیا۔ یہ میموری کارڈ بھی گئے۔۔ بہرا کرتی آوازوں اور سینہ چیرتے طعنوں کا یہاں کیا کام؟ اس نے انھیں بھی دھکیلا۔

"اب کیا رہ گیا؟؟؟" وہ راہداریوں میں چلتے چلتے بڑبڑایا۔

گھٹیا رویّے اور دشمنیاں ایک جانب چھپنے کی کوشش کرتے نظر آئے، وہ انھیں بھی گھسیٹ لایا۔ اب وہ لکڑی کے دیو ہیکل دروازے کو بند کر رہا تھا۔ اس کو تالا لگایا اور چابی کو چوکھٹ میں موجود درز سے اندھیرے کے حوالے کر دیا۔

"خس کم جہاں پاک" اس نے دونوں ہاتھ جھاڑے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ماضی کے بوجھ کی اصل جگہ ماضی ہی ہے، کیوں کہ اگر حال کے کندھے ماضی کا وزن اٹھا لیں تو حال بے حال ہو جائے گا۔ اس کے دماغ کی بھول بھلیاں اور ہر دریچہ ماضی کے گرد و غبار اور جالوں سے صاف ہو چکا تھا اور اس کا لان بھی خوشیوں کی آبیاری کے لیے تیار تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ بڑی منزلوں تک جاتے طویل راستوں پر چلنے کے لیے خود کو ہلکا پھلکا رکھنا کتنا ضروری ہے۔

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM

2200+

یتیم بچے زیرِ کفالت

رہائش، خوراک، تعلیم و تربیت

Saiban

FOR ORPHANS

BAITUSSALAM

پانچوں انگلیاں

محمد افضل

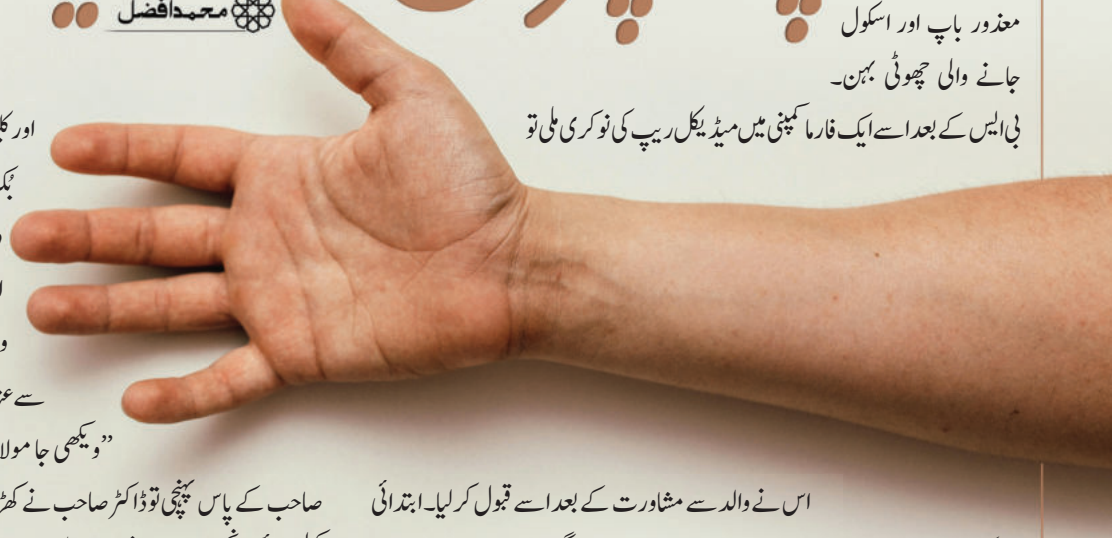

”اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا ہوتا یا میں چار پائی تک محدود ہو کر نہ رہ گیا ہوتا تو تمہیں کسی صورت بھی جاب کرنے نہ دیتا۔ عورت اپنی چادر اور چار دیواری میں ہی محفوظ رہتی ہے، لیکن باامرِ مجبوری اسے گھر سے نکلنا بھی پڑے تو اپنی عزّت پر کبھی حرف نہ آنے دینا ہی خاندانی عورت کی پہچان ہے۔ رازق رب کی ذات ہے، اس لیے کبھی اپنی عزّت، وقار کو رزق کے لیے داؤ پر نہ لگانا۔“

غلام مصطفیٰ نے ایک لمحہ توقف کیا، سانس بحال ہوا تو اپنی بیٹی انیلہ سے پھر سے گویا ہوئے:

”تم نے اپنے لیے ایک ایسے پیشے کا انتخاب کیا ہے، جہاں تمہارا واسطہ پڑھے لکھے افراد سے پڑے گا جو عام طور پر سلجھے ہوئے اور سمجھ دار ہوتے ہیں، لیکن پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، اس لیے اگر کوئی بے ہودگی کرے تو اس کی فوری سرکوبی کرنا۔“

”بابا جان! میں آپ کی بیٹی ہی نہیں، بیٹا بھی ہوں۔ کبھی بھی اپنا دامن اور آپ کی پگ داغ دار نہیں ہونے دوں گی۔“ انیلہ نے کہا۔

ماں کی وفات کے بعد گھر میں کل تین جی ہی تو رہ گئے تھے۔ وہ خود، بوڑھا معذور باپ اور اسکول جانے والی چھوٹی بہن۔

بی ایس کے بعد اسے ایک فارما کمپنی میں میڈیکل ریپ کی نوکری ملی تو اس نے والد سے مشاورت کے بعد اسے قبول کر لیا۔ ابتدائی ٹریننگ کے بعد آج فیلڈ میں اس کا پہلا دن تھا۔ اسے جو لسٹ دی گئی اس کے مطابق اسے آج پانچ ڈاکٹروں کے ہاں وِزٹ کرنا تھا۔ اس کے پاس ذاتی سواری تو تھی نہیں، اس لیے لوکل بسوں اور چنگ چی رکشوں پر دھکے کھانے کے بعد وہ پہلے کلینک پر پہنچی۔ ڈاکٹر ایک جہاں دیدہ، عمر رسیدہ شخص تھا۔ اس نے بڑی شفقت سے انیلہ کو بیٹھنے کا کہا اور ڈسپنسر کو کہا کہ وہ انیلہ کو پانی پلائے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا:

”ہاں بیٹا جی! اب آپ اپنی کمپنی کی پروڈکٹس کے بارے میں بتائیں۔“

انیلہ کے حلق کی خشکی، ہونٹوں کی کپکپاہٹ اور ہاتھوں کے رعشہ میں یک دَم کافی کمی ہو گئی اور وہ بڑے اعتماد سے اپنی بات مکمل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

”میں نے پہلے بھی ان ادویات کو استعمال کرایا ہے، اچھا اطمینان بخش رزلٹ ہے۔ آپ مطمئن رہیں میں لکھوں گا ان شاء اللہ جیسے ضرورت ہو گی۔“ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

”بی بی! مجھے اپنا سبق تو نہ سنا، صرف یہ بتا کہ اگر میں آپ کی کمپنی کی دوا لکھوں تو مجھے کیا ملے گا۔ پہلے میں نے آپ کی مقابل کمپنی کی اسی سالٹ کی میڈیسن کی دو سو ڈبی نکالی تھیں، انھوں نے مجھے یہ موبائل دیا تھا آپ کا پیکج کیا ہے؟“ اگلے ڈاکٹر نے کہا۔

”سوری سر! ہمارا اس طرح کا کوئی پیکج نہیں ہے۔ ہماری دوا معیاری ہے یہی ہمارا پیکج ہے۔ ہماری کمپنی بلاضرورت کسی کو دوا تجویز کرنے کے خلاف ہے۔“ انیلہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے بی بی! پھر بستہ اٹھا کر سارا شہر گھومتی رہو۔“ انیلہ نے کہا۔

انیلہ اگلے کلینک پر پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہاں جانوروں کی ادویات دھڑلے سے انسانوں پر استعمال کی جا رہی تھیں، کیوں کہ وہ سستی پڑتی ہیں۔ وہ ”ڈاکٹر صاحب“ کے سامنے بیٹھی انھیں میڈیسن کے بارے میں بریف کر رہی تھی تو اسے محسوس ہوا کہ اس کی باتیں ڈاکٹر کے سر سے گزرتی جا رہی ہیں۔ اس کی نظر ڈاکٹر کی میز پر پڑی تو ساری حقیقت واضح ہو گئی۔ میز پر شیشے کے نیچے چند عام امراض اور ان کی ادویات کے نام لکھے ہوئے تھے، اس لیے ”ڈاکٹر صاحب“ کی قابلیت اور اصلیت اس پر واضح ہو گئی۔

اگلے کلینک پر پہنچ کر اسے لگا کہ وہ کسی ہیئر کٹنگ سیلون یا فوٹو اسٹوڈیو پر آ گئی ہے، باہر بورڈ پر ڈاکٹر صاحب کی تصویر جگمگا رہی تھی اور کلینک میں بھی یہی عالم تھا۔ ڈاکٹر صاحب فیس بُک پر مصروف تھے۔ انھوں نے انیلہ سے کہا کہ وہ انھیں فیس بُک پر فرینڈ ریکویسٹ بھیجے اور اپنی میڈیسن واٹس ایپ کر دے۔

وہ کلینک سے نکلی تو چنگ چی رکشہ پر زور و شور سے عنایت حسین بھٹی کی آواز میں چل رہا تھا:

”ویکھی جا مولا دے رنگ“ آج کے وِزٹ کے آخری ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچی تو ڈاکٹر صاحب نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ اس نے ڈاکٹر کی کھلی ہوئی باچھیں اور مصافحہ کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کر کے اپنی بات شروع کی تو ڈاکٹر نے کھسیانا ہونے کی بجائے سامنے پڑے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”آپ تشریف رکھیں، تسلی سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“

ڈاکٹر اپنی سیٹ چھوڑ کر اس کے ساتھ صوفے پر آ بیٹھا اور بولا: ”جی اب بتائیں۔“

وہ میڈیسن کے بارے میں بتا رہی تھی کہ اسے اپنی کمر پر ڈاکٹر کا ہاتھ رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ زخمی شیرنی کی طرح پلٹی۔ پورے کلینک میں چٹاخ کی زوردار آواز گونجی اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور کیبن سے باہر نکلی۔ ”ڈاکٹر“ کبھی اپنے گال کو سہلاتا اور کبھی اس پر بنے پانچ انگلیوں کا نشان دیکھتا۔

انیلہ باہر آئی تو استقبالیہ پر موجود نرس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چوم لیے۔ انیلہ نے بڑے اطمینان سے کہا:

”پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔“ گال پر ثبت پانچ انگلیوں کے نشان اس کا ثبوت تھا۔

توکل

مہوش اسد شیخ

یہ کورونا کے ایام کا ذکر ہے۔ حکومت کی طرف سے سخت اقدامات کیے جا رہے تھے۔ بچے، بڑے سبھی گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ مجبوری کی حالت میں باہر نکلنے پر سو طرح کی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی تلقین کی جا رہی تھی۔ ہمارے گھر میں بھی بہت زیادہ احتیاط کی جا رہی تھی، باہر سے سودا سلف آتا تو جراثیم کش اسپرے کرنے کے بعد اندر لایا جاتا، پھل سبزی آتی تو باہر صحن میں لگے سنک سے دھو کر اندر لایا جاتا۔ ایک دن بھائی سبزی اور پھل لایا، سنک میں سب کچھ ڈھیر کر دیا اور خود نہانے کی غرض سے صحن میں ہی ایک طرف بنے غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ صحن دھوتی ملازمہ نے لمحہ بھر کو رک کر ایک نظر غسل خانے کی طرف جاتے بھائی پر ڈالی، دوسری نظر پھلوں کے طرف اٹھی، وہ کتنی ہی دیر اس جانب دیکھتی رہی، جانے کیا سوچ رہی تھی۔ میرے ہاتھ جو تیزی سے چلتے صبح کے ناشتے کے برتن دھو رہے تھے، رک گئے۔ میں کچن کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی، دل کو دھچکا لگا۔

”کرونا نے تو اچھے اچھوں کے ہوش اڑا دیے ہیں، کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں، جانے بے چاری نے کب سے کوئی پھل نہیں کھایا۔ آج اسے کچھ پھل دے دیتی ہوں بچوں کے لیے لے جائے۔ گھر بھر کا، اپنے بچوں کا صدقہ ہی سہی۔“

اس فیصلے سے دل قدرے مطمئن سا ہو گیا۔ میرے ہاتھ ایک بار پھر تیزی سے کام نمٹانے لگے۔ اس دوران میں نے کئی بار کوثر کو چور نگاہوں سے پھلوں کی طرف دیکھتے پایا۔ دل کیا ابھی جا کر اسے کچھ کھانے کو دے دوں۔ میں برتن دھو چکی تو نل بند کر دیا اور وہیں قریب لٹکے تولیہ سے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ کچن میں پہلے ہی سمیٹ چکی تھی، اب ارادہ تھا باہر جا کر پھل سبزی دھو کر اندر لے آؤں اور دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع کروں۔

کوثر نے کچن کی کھڑکی کی طرف دیکھا، کچھ دیر کھڑی جانے کیا نوٹ کرتی رہی، مجھے اس کی یہ حرکت کچھ مشکوک سی لگی تو میں بھی دم سادھے کھڑی رہی اور اس کی حرکات و سکنات پر غور کرنے لگی۔ وہ چند قدم سنک کی طرف بڑھی ہی تھی کہ غسل خانے کا دروازہ کھلا اور بھائی باہر نکل کر گھر کے رہائشی حصے کی طرف چلا آیا۔ کوثر تیزی سے وائپر لگانے لگی۔ میرے تجسّس کو ہوا ملی۔

”وہ ضرور کوئی کارروائی ڈالنا چاہ رہی ہے۔“ میری چھٹی حس نے خبردار کیا۔

بھائی اپنے کمرے میں چلا گیا اور میں وہیں کچن کی کھڑکی میں خاموشی سے کھڑی رہی، اتنی خاموشی تھی کہ یہی گمان ہوتا تھا کہ کچن میں اب کوئی نہیں ہے۔

کوثر نے کھڑکی کے قریب آکر مجھے پکارا۔ میں دانستہ خاموش رہی، جب اسے یقین ہو گیا کہ کچن سے کوئی اسے نہیں دیکھ رہا وہ سرعت سے سنک کی طرف لپکی۔ اپنی بغل سے ایک لفافہ نکالا، دو سیب اٹھا کر اس میں ڈال دیے اور لفافہ سیڑھیوں کے نیچے چھپا دیا۔

”کورونا کی وجہ سے جب تمام ملازمین گھروں میں جا بیٹھے تھے، تب میں نے کوثر کو بھی گھر بیٹھنے کو کہا تھا، لیکن وہ منّت سماجت پر اتر آئی تھی کہ ”اس کا گھر کیسے چلے گا؟ وہ تو بھوکے مر جائیں گے۔“ میں نے کہا: ”پوری تنخواہ تو نہ دے پاؤں گی، لیکن جتنا مجھ سے ہوا ضرور کر دوں گی۔۔۔“ لیکن وہ کسی طور نہیں مانی تھی۔ تب میں نے یہی سوچا کہ وہ بیرونی حصے کی صفائی کرتی رہے اور ہفتے میں ایک بار اندر کی صفائی کر دیا کرے۔ معاملہ طے ہو گیا وہ اپنے کام پر آتی رہی۔

اسے سیب چراتے دیکھ کر میرا دل بہت دُکھا اور اپنے آپ پر بھی غصہ آیا کہ پہلے ہی باہر نکل کر اسے پھل کیوں نہ دے دیا چوری جیسا قبیح فعل اس کے کھاتے میں نہ لکھا جاتا۔

ساتھ ہی امی جان کا اکثر بولے جانے والا جملہ مجھے یاد آ گیا۔ بچپن میں اکثر جب کوئی دوسرا بہن بھائی ہماری چیز اڑا لے جایا کرتا یا گھر میں کچھ اچھا بنتا اور مہمان آ جاتے، ہمارا منہ بن جاتا تو وہ ہنس کر کہتی تھیں ”دانے دانے پر لکھا ہے کھانے والے کا نام“ ان سیبوں پر بھی کوثر کا نام لکھا جا چکا تھا۔ میں نیت کر چکی تھی، لیکن اس نے صبر نہیں کیا اور اپنے نام لکھا رزق چوری جیسے قبیح فعل سے حاصل کر لیا۔

کبھی کبھار میں حیران ہوتی ہوں کہ ہم رزق جس کے متعلق میرے رب نے وعدہ کیا ہے، اس کی فکر میں گھلے جاتے ہیں اور جنّت کی فکر کسی کو نہیں، جسے ہمارے اعمال سے مشروط کیا گیا ہے۔

رزق تو انسان کو ایسے ڈھونڈتا ہے جیسے موت۔۔۔ اس کی ہوس میں ہم حلال حرام کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔ دراصل ہم توکل کھو بیٹھے ہیں۔

اللہ پر توکل ایک مضبوط ایمان کی نشانی ہے، جو انسان کو اللہ کی رِضا کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔

توکل انسان کو مشکلات اور آزمائشوں میں استقامت اور صبر کرنے کی طاقت دیتا ہے۔

صرف کوثر کا ہی نہیں، ہم سب کا زندگی کے کسی نہ کسی پہلو پر توکل کمزور ہے۔

یااللہ! ہمیں استقامت اور توکل کی طاقت عطا فرما۔ آمین ثم آمین!

نعمتوں کا زوال

افشاں اقبال

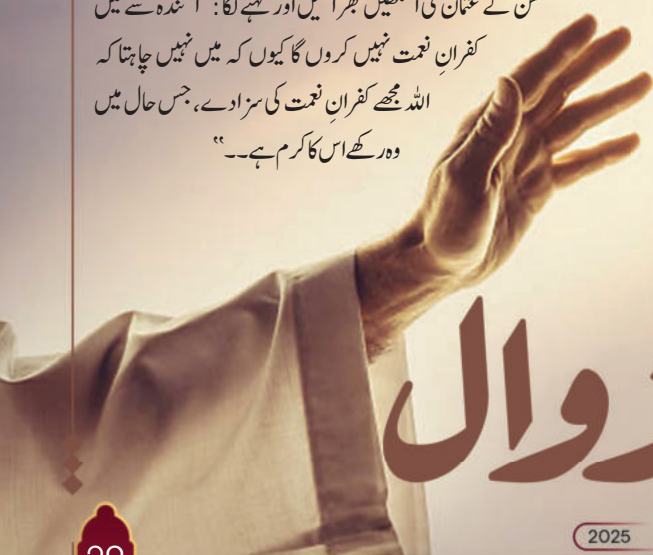

”عثمان کیا ہوا ہے، کیوں اتنے اداس ہو اور میں نے محسوس کیا کہ آج تم نے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا جبکہ آج تو دال بھی نہیں پکی؟“

”دال نہیں پکی تو کون سا مرغِ مسلم تھا۔ ہمارے گھر میں دال کی جگہ پر پکوڑوں والی کڑی بنالی گئی تھی اور وہ بھی پانی جیسی کڑی، جس میں پکوڑے تیر رہے تھے۔“ عثمان نے ترشی سے کہا۔

”خدا کے لیے چپ کر جاؤ، اگر بی جی نے سن لیا تو انھیں بہت برا لگے گا۔“

”حنان! تم تو یوں کہہ رہے ہو، جیسے بی جی نہیں خدا ہم سے ناراض ہو جائے گا۔“ عثمان نے منہ بنا کر کہا۔

”کیوں کہ خدا کے بعد اس زمین پر وہی ہمارا آسرا اور سہارا ہیں، اگر وہ ہمیں ٹھٹھرتی ہوئی سرد رات میں اس سڑک سے اٹھا کر اپنے گھر میں جگہ نہ دیتیں تو آج ہمارا نام و نشان نہ ہوتا۔“ حنان نے اسے اپنا ماضی یاد دلایا۔

”ایسی زندگی سے تو اچھا ہوتا ہم اس رات سردی سے مر جاتے تو آج روز روز مرنا نہ پڑتا۔“ عثمان نے خود غرضی سے کہا۔

”تم ایک انتہائی خود غرض اور ناشکرے انسان ہو اور یاد رکھنا، جو شکر ادا نہیں کرتا، اس سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔“

”نعمتیں ہیں کیا جو چھین لی جائیں گی۔“ حنان کی طرف دیکھ کر وہ طنزیہ مسکرایا اور سونے چلا گیا۔

عثمان کی باتیں سن کر حنان کو دلی افسوس ہوا، لیکن وہ شکر ادا کر رہا تھا کہ عثمان کی کڑوی کسیلی باتیں بی جی نے نہیں سنی، ورنہ انھیں کتنا دکھ ہوتا۔

بی جی ایک بیوہ عورت تھیں، جن کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک لفافے بنانے والی فیکٹری میں کام کرتی تھیں۔ آج سے تیرہ برس پہلے کام سے واپسی پر سڑک کے کنارے انھیں دو نومولود بچے ملے، بس وہ ان دونوں کو اپنے گھر لے آئیں اور ان کی پرورش کو اپنا مقصدِ حیات بنالیا۔

آمدنی اور وسائل کم ہونے کے باوجود وہ پوری کوشش کرتی تھیں کہ دونوں بچوں کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

حنان تو اپنی زندگی سے مطمئن تھا جبکہ عثمان کے شکوے ہی ختم نہیں ہوتے تھے۔

”عثمان اٹھو! اسکول جانے کا وقت ہو گیا ہے۔“ حنان نے اس کا پیر کھینچتے ہوئے اسے اٹھایا۔

”اتنا خوب صورت خواب دیکھ رہا تھا تم نے سارا مزا کرکرا کر دیا۔“

”یقیناً گاڑی اور بنگلے کے خواب دیکھ رہے ہو گے۔“ حنان نے تصدیق چاہی۔

”اور کیا! اتنا حسین خواب تھا۔ ابھی میں لینڈ کروزر چلانے ہی والا تھا کہ تم نے خواب کا بیڑہ غرق کر دیا۔“ حنان اور بی جی نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

”اچھا! اب تو عثمان بیٹا اٹھ گئے ہو نا۔۔۔ اب برش کرو اور منہ دھولو، جب تک میں تمہارے لیے پراٹھا بناتی ہوں۔“

”پراٹھا نہیں، رات کی روٹی کو دو بوند گھی میں فرائی کرتی ہوں۔“

اس نے ہلکی آواز میں کہا، جسے بی جی نے تو نہیں البتہ پاس کھڑے حنان نے سن لیا۔

”کتنوں کو یہ بھی میسر نہیں میرے بھائی!“ حنان نے اسے سمجھانا چاہا۔

”اور کتنوں کو روز صبح کبھی نہاری روٹی، کبھی پائے تو کبھی ولایتی کھانا، ڈبل روٹی، مکھن، جیم، اورنج جوس میسر ہیں۔“

”تم سے بحث کر کے میں اسکول وین چھوڑنا نہیں چاہتا۔“ حنان نے بحث ختم کی۔

بی جی نے دونوں کو دعاؤں کے ساتھ اسکول بھیجا۔ وین سے اترتے وقت عثمان کا پیر مڑا اور وہ اس بُری طرح سے گرا کہ چلنے کے قابل بھی نہ رہا۔ اسکول والوں نے بی جی کو فون کر کے بلایا۔ بی جی اور حنان اسے ایمبولینس میں ڈال کر ہسپتال لے گئے۔

ہسپتال مریضوں سے کھچا کھچ بھرا تھا، کوئی مریض درد سے چیخ رہا تھا تو کوئی تکلیف کے باعث رو رہا تھا۔ نرسیں مریضوں کی دیکھ بھال کرنے میں مصروف تھیں۔

وہ تینوں اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی کو وہیل چیئر پر لایا گیا۔ اس کے ساتھ گارڈز کی پوری فوج تھی، اس شخص کو دیکھتے ہی تمام نرسیں اور ہسپتال کا عملہ اس کی آؤ بھگت میں لگ گیا۔ ڈاکٹر خود اپنے کمرے سے باہر آ کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔

عثمان اس کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔

”اس شخص کو دیکھو حنان! اسے کہتے ہیں خدا کی نعمتوں سے مالا مال شخص۔“ عثمان کے برابر میں ایک آدمی اپنے پانچ سالہ بچے کو لے کر اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔

عثمان کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

”کیا ہوا انکل سب خیریت ہے نا؟“

”تمہاری بات سن کر مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا۔“

”وہ کیسے؟“ عثمان نے تجسّس سے پوچھا۔

”کیوں کہ بچپن میں مجھے بھی تمہاری طرح لگتا تھا کہ دولت سے بڑی کوئی نعمت نہیں، دولت سے ہی عزت اور وقار ہے اور دولت سے انسان جو چاہے خرید سکتا ہے۔ میں اپنے رئیس دوستوں کو دیکھتا اور ہر وقت اپنے رب سے شکوہ کرتا کہ اس نے مجھے کیوں غریب پیدا کیا۔۔۔؟ مجھے کوئی نعمت کیوں نہیں دی۔۔۔؟ کیوں کہ میری نظر میں دولت ہی سب سے بڑی نعمت تھی اور یہی نعمت میرے پاس موجود نہیں تھی۔ ایک رات میں خوب خدا سے شکوے کر کے سویا اور صبح اٹھا تو میرے ساتھ وہ ہوا جو میں نے کبھی وہم و گمان میں بھی نہیں سوچا تھا۔“

”کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ؟“ عثمان نے تجسّس سے پوچھا۔

”میری دونوں آنکھوں کی بینائی چلی گئی۔ میری زندگی سے رنگ چلے گئے۔ صرف ایک رنگ سیاہ رہ گیا، میں بچوں کی طرح رو تا رہتا تھا، مجھے کسی چیز کا ہوش نا رہا۔ میرے والدین نے میرا بڑا علاج کروایا۔ ان کی دعاؤں سے میری بینائی تو لوٹ آئی، لیکن میری بیماری نے مجھے یہ احساس دِلا دیا کہ سب سے بڑی نعمت صحت ہے سننے، دیکھنے کی طاقت اور بولنے کی صلاحیت ہاتھ پیر کا ٹھیک سے کام کرنا یہ خدا کی عطا کردہ سب سے بڑی نعمتیں ہیں جو دولت سے بھی حاصل نہیں کی جا سکتیں اور جو اللہ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے وہ نعمتیں چھین لیتا ہے۔“ یہ سن کے عثمان کی آنکھیں بھر آئیں اور کہنے لگا: ”آئندہ سے میں کفرانِ نعمت نہیں کروں گا کیوں کہ میں نہیں چاہتا کہ اللہ مجھے کفرانِ نعمت کی سزا دے، جس حال میں وہ رکھے اس کا کرم ہے۔“

گرداب

راحیلہ خان ایڈوکیٹ

آج پورے بیس سال بعد وہ اپنے گاؤں واپس آیا تھا، مگر اب کی بار سمندری راستے سے نہیں بلکہ ٹکٹ لے کر یورپ کے قانونی پاسپورٹ پہ آیا تھا اور اس بار وہ خالی ہاتھ بھی نہیں تھا بلکہ اس کے پاس دنیا کی قیمتی کرنسی تھی۔ اس کے تن پہ معمولی نہیں بلکہ مہنگے کپڑے تھے، یعنی وہ گاؤں کے معمولی مزدور سے یورپ کا بابو مزدور بن گیا تھا، جہاں اس کا حال بدلا تھا، وہیں گاؤں بھی اب پہلے جیسا کھنڈر نہیں رہا تھا، بلکہ کافی تبدیل ہو گیا تھا۔ پکی سڑکیں اور خوب صورت مکان بن گئے تھے۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کے بھائی نے گرم جوشی سے گلے لگایا۔ اس کے دل میں ہوک اُٹھی کہ کاش! بے بے دروازے پہ ہوتی اور اس کا استقبال کرتی، جب تک زندہ رہی، وہی واحد ہستی تھی جو اس کو واپس بلانا چاہتی تھی، جسے باہر کی کمائی نہیں چاہیے تھی۔ اب جب وہ آپس آیا تو وہی نہیں تھی۔ بے بے کے ساتھ ساتھ اس کا بابا بھی اب نہیں رہا تھا، وہی بابا جس نے ساری عمر مزدوری کی، مگر پھر بھی ضروریاتِ زندگی پوری نہیں کر پاتا۔ مجبوراً اپنی پگ کے وارث بڑے بیٹے کو پردیس بھیجنے پہ راضی ہوا، اگر کوئی اس کے دل کی سنتا تو وہ یہی کہتا کہ بھوکا رہ لوں گا، مگر اپنے لختِ جگر کو نظروں سے دور نہیں کروں گا، مگر اس بے چارے کی کوئی اور تو کیا خود بلال نے نہیں سنی تھی۔

بلال کو ہر حال میں اپنے حالات اچھے کرنا تھے، سو وہ نکل پڑا۔ آج اسے وہ دن شدّت سے یاد آیا۔ جب وہ پانی کی لہروں میں ہاتھ پاؤں مارتا تیز تیز کوسٹ گارڈز کی نظروں سے دور ہونے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی کہ وہ گاؤں کا بہترین تیراک تھا، ورنہ جتنی دیر اس نے سمندر میں سانس روکی اور خود کو سمندر میں چھپائے رکھا، وہ عام بندے کے بس کی بات نہیں تھی۔ تین سو غیر قانونی تارکینِ وطن میں سے صرف وہی بچا تھا، ورنہ باقی سب تو اس کشتی کے ساتھ ڈوب گئے، جو اپنے ناتواں کاندھوں پہ تین سو زندگیوں کو بچانے، کوسٹ گارڈز کی نظروں سے بچنے اور کنارے پہ لگنے کو بے تاب تھی۔۔۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ بلال کشتی الٹنے کے بعد معلوم نہیں کتنی مدّت تیرتا رہا، یہاں تک کہ اس کے بازوؤں نے تیرنے سے انکار کر دیا، حالاں کہ وہ انہی بازوؤں کے دَم پہ اپنے ماں باپ بہن بھائی اور گھر بار چھوڑ کر دنیا کے دوسرے کنارے پے آیا تھا۔ اس کے پورے گاؤں میں اس کے انہی بازوؤں کی دھوم تھی، وہ طاقت ور مشہور تھا۔ اب اس گہرے سمندر میں یہ بازو اس کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ وہ ہاتھ پاؤں مارتا رہا، اس وقت تک جب تک وہ ہوش میں رہا۔

پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو بے شمار پرندے آسمان پر نظر آئے۔ وہ خود ایک ساحل پہ پتھروں کے بیچ میں پھنسا ہوا تھا، لگتا تھا سمندر کی لہروں کو اس پر ترس آ گیا اور انھوں نے اس کی جان بخشی کر ڈالی یا پھر اس کی بے بے کے لیے بچ گیا، جو ہر دَم اس کے لیے دعا گو رہتی تھی یا اس کا بابا جو خاموشی سے اس کی واپسی کا منتظر تھا۔

پھر اس نے ایک طویل جدوجہد کی۔ سب سے اچھی بات اس کو یورپ کی یہ لگتی تھی کہ لوگ کم تھے، جو تھے وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ بلال کے گاؤں والوں کی طرح فارغ گھر سے ہر دَم باہر گلیوں، بازاروں میں نہیں گھومتے تھے، نہ چوکوں میں کھڑے باتیں کرتے، نہ ملنے جلنے کے نام پہ لمبی لمبی میٹنگ کرتے، سب اپنے کام سے کام رکھتے۔ اس لیے وہ ان ہدایات پر عمل پیرا رہا جو اس کے ایجنٹ نے اس کو ازبر کرائی تھیں کہ اگر سمندر میں کوسٹ گارڈز سے بچ گئے تو بھی یورپ میں ہر دَم چوکنّا رہنا ہے، ورنہ غیر قانونی مزدوروں کو واپس بھیج دیتے ہیں اور بلال یہ رِسک نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے اپنی ماں کا زیور اور والد کی زمین بیچی تھی۔ وہ اپنی ساری کشتیاں جلا کر آیا تھا۔ اس لیے قدرت نے اس کو یہ موقع دیا تھا کہ اک بار وہ پھر اپنی زندگی جی لے۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ اس کی بھابی کی آواز نے اس کو زندگی کی طرف کھینچا، جو اپنے شوہر سے کچن میں راز و نیاز کر رہی تھی کہ وہ کب واپس جائے گا، کیوں کہ اگر وہ یہاں رُک گیا تو ہر ماہ کی بڑی آمدنی کیسے آیا کرے گی۔ یہ باتیں اس کے لیے نئی نہیں رہی تھیں کیوں کہ اِن بیس سالوں میں اس کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اب گھر میں اس سے زیادہ اہمیت اس کے پیسوں اور ان تحائف کو حاصل ہے جو وہ باقاعدگی سے بھیجتا ہے یا اس بات میں دل چسپی ہے کہ وہ کس کو اپنے پاس باہر بلواتا ہے۔

پھر اس کی بہن کی آواز سنائی دی جو اس سے باتیں کرنے اس کے کمرے میں آنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ وہ بہت خوش تھا، اسے بہن میں اپنی بے بے کا چہرہ نظر آتا۔ معلوم نہیں وہ کیا کیا بول رہی تھی، بلال تو بس جی بھر کر ماں جائی کو دیکھ رہا تھا۔ ہوش اس وقت آیا جب بہن نے کہا کہ وہ اس کی نند کی بیٹی سے شادی کر لے، وہ حیران تھا کہ ایک زمانے میں جس نند سے وہ اپنی غربت کی وجہ سے شادی نہیں کر پایا، آج اس کی بیٹی کے لیے کیسے ہاں ہو سکتی ہے، مگر اس کی بہن جیسے سب طے کیے بیٹھی تھی۔ بلال کی سسرال میں شادی سے نہ صرف اس کی اہمیت بڑھتی بلکہ نند بھی ہمیشہ کے لیے اس کے آگے چپ ہو جاتی۔

دوسری طرف بلال کو اب بہن بھائیوں دوست رشتہ داروں کی باتوں سے اُلجھن ہوتی، ان کی لالچ پہ حیرت۔۔۔ وہ ان کو کیسے بتاتا کہ وہ آج بھی ایک مزدور ہے، ہر روز کمانے والا اور روز کا کھانے والا! بس فرق یہ ہے کہ اس کی مزدوری پوربی کرنسی میں ہوتی ہے۔ وہ آج بھی وہی بلال ہے، بس فرق یہ ہے کہ اب وہ مالی حالات کے گرداب میں نہیں بلکہ اپنوں کی بے حسی، لالچ، خود غرضی کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔

صحیح سمت

تنزیلہ احمد

یہ ایک گنجان آباد شہر تھا۔ شہر کے وسط میں واقع ایک رہائشی کالونی میں آمنہ اور زینب نامی دو لڑکی سہیلیاں رہتی تھی۔ وہ پڑوسی تھیں اور اپنے تعلیمی دور کی ابتدا سے ہی ساتھ تھیں۔ دونوں کا قریباً ساراون ایک ساتھ گزرتا۔ ان کے گھروں کے درمیان بس ایک دیوار تھی جو کبھی ان کے تعلق میں رکاوٹ نہیں بن سکی تھی۔ وہ اکٹھے اسکول جاتیں، شام میں مل کر پڑھائی کرتیں، کھیل کود اور دوسری سرگرمیوں میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہوتیں۔ اب دونوں ہائی اسکول میں زیرِ تعلیم تھیں۔ آمنہ اور زینب کو کمپیوٹر سائنس میں خاصی دل چسپی تھی، اس لیے انھوں نے اسی مضمون کا انتخاب کیا۔ وہ کمپیوٹر سائنس کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی تازہ ترین پیش رفت پر بھی گہری نظر رکھتیں۔ ان کی خواہش تھی کہ جدید ٹیکنالوجی کے مثبت استعمال اور معاشرے پر اس کے اچھے اثرات پر لوگوں کی توجہ مرکوز کروائی جائے۔ جب بھی وہ ٹیکنالوجی کے منفی اور نقصان دہ استعمال کو دیکھتیں، افسردہ ہو جاتیں۔

ایک روز وہ حسبِ معمول اسکول جانے کے لیے گھر سے نکلیں۔ راستے میں انھوں نے ایک نابینا لڑکی کو دیکھا جو اپنے راستے سے بھٹکی ہوئی لگ رہی تھی۔ مرکزی شاہراہ اِک خوف ناک حادثے کی وجہ سے بند ہو چکی تھی۔ ٹریفک کے بہاؤ کو دوسری سڑک کی طرف موڑ دیا گیا۔ یوں نابینا لڑکی غیر ارادی طور پر غلط راستے پر چلنے پر مجبور ہوئی اور راستہ بھٹک گئی۔ وہ صحیح راستہ تلاش کرنے کے لیے اب پریشان لگ رہی تھی۔ آمنہ اور زینب نے لڑکی کو مشکل میں دیکھا تو اس کی رہ نمائی کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ لڑکی کو محفوظ راستے سے اسے اپنی منزل تک پہنچانے میں انھوں نے مدد کی تھی۔

شام میں حسبِ معمول وہ پڑھائی کے لیے اکٹھی ہوئیں۔ انھوں نے سب سے پہلے کمپیوٹر سائنس کے پروجیکٹ پر کام شروع کیا۔ کام کرتے ہوئے اچانک آمنہ نے زینب سے کہا:

”آج راستے میں جو ہوا، اس نے میرے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ کاش! ہم حقیقت میں ٹیکنالوجی کی مدد سے اپنے ارد گرد کے لوگوں کی زندگی کو آسان اور بہتر بنانے کے لیے کچھ کر سکتے۔“

”ہمم! ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہ کتنا اچھا خیال ہے کہ ٹیکنالوجی کا استعمال زندگی سہل بنانے کے لیے کیا جائے، مگر کیسے؟ ہمیں اس پر غور و فکر کرنا چاہیے۔“ زینب نے سہیلی کے موقف کی تائید کرتے ہوئے اپنی رائے پیش کی۔

یہ گفتگو دونوں دوستوں کے لیے ایک نئی سمت متعین کرنے کی بنیاد بن گئی۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرنے کے ایسے موثر طریقے تلاش کریں گی، جس سے معاشرے پر مثبت اثر مرتب ہو سکے۔

کچھ دنوں بعد وہ ایک پراجیکٹ کے سلسلے میں بات چیت کر رہی تھیں کہ دونوں کے ذہن میں ایک دل چسپ خیال کوندا۔ انھوں نے سوچا کہ ایک ایسی موبائل ایپ بنائی جائے جو عملی طور پر معذور طلبہ کو اپنے اسکول، کالج اور مطالعاتی مراکز میں آسانی کے ساتھ پہنچنے میں مدد فراہم کر سکے۔ انھوں نے اس کے متعلق مزید تحقیق کی۔ مطلوبہ ایپ بنانے کے لیے ویڈیوز، مضامین اور دیگر دستیاب مواد سے ہر ممکن مدد حاصل کی۔

آمنہ نے اپنی کمپیوٹر سافٹ ویئر کی مہارت اور معلومات کو ایپ کا بنیادی ڈھانچا اور سافٹ ویئر بنانے کے لیے استعمال کیا، جب کہ زینب نے اپنے علم کا استعمال کچھ یوں کیا کہ ایپ کو صارف دوست اور قابلِ رسائی بنانے میں آسانی ہو۔ دونوں دوستوں نے ایپ تیار کرنے پر نیک نیتی سے انتھک محنت کی۔

بالآخر کئی ہفتوں کی محنت کے بعد ایپ منظرِ عام پر آنے کے لیے تیار ہو گئی۔ وہ بہت خوش تھیں۔ سب سے پہلے انھوں نے اپنے اسکول میں ایپ متعارف کروائی۔ اسکول کی انتظامیہ اور طلبہ نے ان کے اس اقدام کو خوب سراہا۔ اسکول کی انتظامی کمیٹی کی مدد سے، آمنہ اور زینب نے معذور افراد کے مقامی مراکز اور فلاحی اداروں سے رابطہ کیا۔ لوگوں کی آسانی کے لیے بنائی گئی ایپ نے جس کا نام ”صحیح سمت“ رکھا گیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے مقامی آبادی سمیت ملک بھر میں مقبولیت حاصل کر لی۔ ایپ بالخصوص معذور طلبہ کو اپنے مطالعاتی مراکز، اسکول اور کالج وغیرہ تک آسانی سے قابلِ رسائی اور بوقتِ ضرورت متبادل راستے تلاش کرنے میں مدد مہیا کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قریبی ہسپتال، فلاحی مراکز، دواخانے، کھانے پینے کی مناسب جگہ، بازار وغیرہ کا پتا لگانے اور پہنچنے میں بھی مدد فراہم کرتی۔ یہاں تک کہ پڑھائی میں معاونت کے لیے دیگر معذور طلبہ سے رابطہ کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی سہولت بھی ایپ میں موجود تھی۔ مزید یہ کہ ایپ کو کچھ اس طرح سے بنایا گیا تھا کہ کسی بھی ہنگامی اور قدرتی آفت جیسی سنگین صورتِ حال میں یہ صارفین کو پہلے سے آگاہ کرنے اور متبادل راستے تلاش کرنے میں بروقت رہ نمائی کرنے کی صلاحیت سے لیس تھی۔

دونوں ہونہار سہیلیوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ ایپ کے ذریعے دوسروں کی زندگی میں آسانی پیدا کی جا سکے۔ مقامی افراد کی طرف سے ”صحیح سمت“ پر رائے بہت زیادہ حوصلہ افزا تھی۔ نوجوان لڑکیوں نے سب کو دکھا دیا کہ اگر ٹیکنالوجی کو اچھے کام کے لیے استعمال کیا جائے تو ہم اپنے معاشرے اور اس سے باہر بھی مثبت تبدیلی لا سکتے ہیں۔ اسکول انتظامیہ نے

بقیہ صفحہ نمبر 33 پر

علم، عالم اور عمل

عبدالستار

عمل علم کے بغیر نہیں اور علم بغیر محنت کے نہیں اور محنت بھی ایسی ہو کہ طلبِ علم کے لیے قلب فارغ ہو۔ ہر عمل میں اخلاص یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہونا ضروری ہے۔ علم حاصل کرنا بھی ایک عمل ہے۔ علم کا منبع صرف اللہ کی ذات ہے۔ وہی سب کو علم عطا کرنے والا ہے، جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ سے ہی علم طلب کیا جائے اور اس علم کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔ دعوت و تبلیغ کا کام بھی کس قدر عظمت و اہمیت والا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو اس کے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص بھی آپ ﷺ کا حقیقی منبع ہے، وہ بھی یہ کام کرتا رہے۔ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔

آج صبح کا منظر ان کے تصور میں ابھرا تو انھیں تأسف نے نئے سرے سے آ گھیرا۔ اب وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ بالآخر انھوں نے زریاب سے بات کرنے کی ٹھانی اور کچھ سوچتے ہوئے پُرسکون ہو گئیں۔

زریاب نے کان کے پاس بجتے الارم کو ہاتھ بڑھا کر بند کیا اور دوبارہ سے نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔ کافی دیر بعد اس نے بمشکل مندی مندی آنکھوں سے موبائل پر نگاہ ڈالی تو اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھلی رہ گئیں۔ وہ جلدی سے اٹھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور بالوں کا جوڑا بناتی کچن میں چلی آئی۔ جلدی سے فریج کھولا۔ آٹا نکال کر رکھا۔ آملیٹ کے لیے انڈے پھینٹے۔ اب وہ ایک طرف آٹے کے پیڑے بنا رہی تھی تو دوسری طرف آملیٹ تیار کرنے لگی۔ درمیان درمیان میں اندر کمرے میں سوتے منیب، دعا کو آوازیں لگا کر اور جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش بھی جاری تھی۔ اس نے ناشتا تیار کیا، پھر لنچ کی چیزیں تیار کرتے کرتے دوبارہ سے کمرے کی طرف دوڑی۔ ناشتا بناتے ہوئے اس کا ایک پاؤں کچن میں تھا تو دوسرا بچوں کے کمرے میں۔ دو سے تین بار اٹھانے کے بعد منیب اور دعا تو نیند میں جھولتے اٹھ کر بیٹھ گئے، مگر رمیز ابھی بھی نیند میں دُھت تھا۔ اس کو غصہ ہی چڑھ گیا۔ زریاب نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تو وہ بیٹھ کر رونا شروع ہو گیا۔ بچوں کو کھینچ کھانچ کر منہ دھلوانا اور یونیفارم تبدیل کروانا پھر سب سے بڑھ کر ناشتا کروانا کس قدر مشکل مرحلہ تھا، وہ صرف زریاب ہی جانتی تھی۔ بچوں کی سستی اوپر سے وین والے کے پہنچنے کا خوف اس کا سر چکرا رہا تھا۔ صبیحہ بیگم ایک ہفتے سے یہ منظر روزانہ دیکھ رہی تھیں۔ اس ساری ہڑبونگ سے صبح صبح اچھی خاصی بدمزگی پھیل جاتی تھی۔ بچے روتے بسورتے منہ بناتے ماں کی ڈانٹ پھٹکار سنتے بلکہ رمیز تو مار کھاتے ناراض ناراض گھر سے روانہ ہوتے تو زریاب سکون کا سانس بھرتی۔۔۔ پھر وہ تسلی سے صبیحہ بیگم کے ساتھ ناشتا کرتی۔ ناشتے کے بعد سارے گھر کو سمیٹتے، صفائی کرتے دس بجے فارغ ہوتی تو وہ تھک چکی ہوتی تھی۔ اگلے دو تین گھنٹے سو کر وہ تازہ دم دوپہر کے کھانے اور بچوں کا استقبال کرنے کی تیاری کرتی۔ اسکول سے بچے لوٹتے تو اسے اپنی صبح والی بدسلوکی یاد آ جاتی۔ وہ باری باری انھیں پیار کرتی، ان کی پسندیدہ چیزیں بناتی، اس کا مداوا کرنے کی کوشش کرتی اور اس کوشش میں کامیاب بھی ٹھہرتی۔ یوں خوش گوار ماحول میں دوپہر کا کھانا کھایا جاتا۔

صبیحہ بیگم بچوں کی نانی اور زریاب کی والدہ تھیں۔ ان کے داماد کو کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑا تو وہ بچوں کی نانی کو لے آیا، تاکہ وہ اکیلے نہ رہ سکیں۔ صبیحہ بیگم کی آمد نے زریاب کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی خوش کر دیا تھا۔ زریاب ان کی بہت سمجھ دار اور سلیقہ مند بیٹی تھی۔ انھوں نے اپنے بچوں کی تربیت پر خاص توجہ دی تھی۔ اب زریاب کے شب و روز کے معمولات صبیحہ بیگم کے سامنے تھے۔ زریاب رات کو دیر تک موبائل چلاتی یا ناول وغیرہ پڑھتی رہتی۔ بچے بھی دیر تک سونے کے عادی تھے۔ اگر وہ انھیں سختی سے کمرے کی لائٹ آف کر کے بچوں کو سلا بھی آتی تو اس کے جاتے ہی سونے کی اداکاری کرتے تینوں بچے اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ صبح جلدی اٹھنا زریاب اور بچوں کے لیے بہت مشکل ثابت ہوتا۔ زریاب کی کبھی کبھی نمازِ فجر نکل جاتی اور اکثر ہی آخری وقت میں ادا کر پاتی۔ صبیحہ بیگم نے چند دن اس معمول کو خاموشی سے دیکھا۔ انھیں افسوس سا ہوا۔ دل ہی دل میں انھوں نے زریاب کو سمجھانے کا ارادہ کیا۔ آج بچوں کے جانے کے بعد وہ زریاب سے بات کرنے کا سوچ ہی رہی تھیں کہ چائے کا کپ اٹھائے ان کو پیش کرتے زریاب خود ہی اس موضوع کو چھیڑ بیٹھی۔ ”امی! سچ میں، میں ہی جانتی ہوں جتنی مشکل سے بچوں کو اسکول بھیجتی ہوں۔ وہ تو لیٹ جاتے ہیں، مزے سے آٹھ بجے تک سو کر اٹھتے ہیں اور مجھے روز ہی صبح صبح یہ مصیبت اٹھانا پڑتی ہے۔“ ”مجھے تو یہ مصیبت خود پیدا کردہ نظر آ رہی ہے بیٹا!“ صبیحہ بیگم نے نرم آواز میں کہا تو اس نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ ”کیا مطلب امی جان؟“

”بیٹا! اپنے وقت کو یاد کرو، میں بھی تو آپ لوگوں کو صبح صبح اٹھا کر اسکول روانہ کیا کرتی تھی۔“ انھوں نے جواباً کہا۔ ”امی! ہم تو اچھے بچوں کی طرح ایک ہی آواز پر اٹھ کے بیٹھ جاتے تھے اور یوں آپ کو تنگ بھی نہیں کیا کرتے تھے۔“ اس کی بات سن کر صبیحہ بیگم مسکرا دیں۔ ”ایسا ہی تھا، مگر بیٹا! تمہیں یاد ہے میں تم لوگوں کو رات عشاء کی نماز کے فوراً بعد سلا دیتی تھی اور نہ صرف بچوں کو سلاتی تھی بلکہ خود میرا بھی یہی معمول تھا۔ صبح جب 7، 8 گھنٹے کی نیند پوری ہو چکی ہوتی تو وہ آرام سے اٹھ جایا کرتے تھے۔ تمہارا چھوٹا بھائی تمہیں یاد ہے، سونے کا کتنا شیدائی تھا کہ تم لوگوں نے اس کا نام ہی ”نیندو“ رکھ دیا تھا۔“

”یہ تو سچ ہے امی! جواد نیند کا کتنا کچا تھا۔“ بیتے دنوں کی یاد نے اس کے چہرے پہ روشنی سی پھیلا دی۔

”امی! حیرت ہے کہ آپ اس کو کیسے اٹھاتی ہوں گی؟ آپ کے دور میں ہم کبھی بھی خراب موڈ کے ساتھ اسکول نہیں گئے اور نہ ہی کسی قسم کی افراتفری پھیلتی تھی۔ کتنی پُرسکون

صبحیں ہوا کرتی تھیں نا ان دنوں!"

"تم چاہو تو وہ دن پھر لوٹ کر آ سکتے ہیں، بس تھوڑی سی کوشش اور محنت کرنا پڑے گی۔"

"امی! مجھے کیا کرنا ہوگا اس کے لیے؟" اس نے بچوں کے سے معصومانہ انداز میں پوچھا۔

"پہلے نمبر پر تو تمہیں خود اور بچوں کو رات کو جلدی سونے کا عادی بننا ہوگا۔" اس نے کچھ بولنے کے لیے لب وا کرنا چاہے، مگر امی کو بات جاری رکھتے دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"رہی بات تمہارے اپنے شوق کی۔۔۔ تو بچوں کے اسکول جانے کے بعد جو تم دو تین گھنٹے سوتی ہو اس وقت سونے کی بجائے اپنے شوق کو وقت دیا کرو، تاکہ رات کو جلدی سو جاؤ۔ دوسرا بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ اور تھپڑ مار کے اٹھانا بہت ہی غلط رویہ ہے۔" وہ سانس لینے کو رُکیں۔ "امی! وہ غصہ ہی اتنا دلا دیتے ہیں پھر کیسے اٹھاؤں؟" زریاب شرمندہ شرمندہ سی بولی۔

"بچوں کے مزاج کو سامنے رکھ کر پیار سے ان کی پسند کی چیز دینے کی ترغیب دلا کر اٹھاؤ گی تو آسانی ہو گی۔" امی کی باتیں سن کر زریاب اک عزم سے اٹھی۔ اب وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، کچھ دیر والی کوفت غائب ہو گئی تھی۔

اگلی صبح اس کی آنکھ فجر کی اذانوں پر ہی کھل گئی۔ اگلے پانچ دس منٹ اسے خود کو ہمت دلانے میں لگے، آخر اٹھ بیٹھی۔ وضو کر کے اس نے خشوع و خضوع سے نماز ادا کی اور قرآن پاک کی تلاوت کی، پھر بچوں کے کمرے میں چلی آئی۔

"اُٹھ جاؤ منیب بیٹا!" اس نے پیار سے اس کے سر کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو پکارا۔

"مما سونے دیں نا!" منیب کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔

"اگر جلدی اٹھو گے تو تمہاری پسند کے رول بنا کر دوں گی لنچ کے لیے۔" اس نے اسے لالچ دیا اور اپنی پسند کی چیزوں کے نام سن کر وہ کسل مندی سے اٹھ بیٹھا اور دعا تو رات ہی سیر پر جانے کا وعدہ لیے سوئی تھی، سو ایک آواز پر ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مشکل مرحلہ رمیز کو اٹھانے کا تھا۔ دو بار جگانے پر بھی ٹس سے مس نہ ہوا تو اس نے سوچا۔۔۔

اٹھو بیٹا آنکھیں کھولو — بستر چھوڑو اور منہ ہاتھ دھولو
اتنا سونا ٹھیک نہیں ہے — وقت کا کھونا ٹھیک نہیں ہے

نظموں کے شوقین رمیز کے کانوں میں پیاری سی آواز ٹکرائی تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

تھوڑی دیر بعد دعا سے کیا وعدہ وفا کرنے کی خاطر وہ بچوں کو قریبی پارک لے آئی تھی۔ صبح کی پُرسکون ٹھنڈی ہوا، پرندوں کی بولی، پتوں پہ موتی کی صورت دمکتے شبنم کے قطرے اک عجب سرور طاری کر رہے تھے۔ صبح کے اس تازگی بھرے ماحول کو محسوس کرتے اس نے بے اختیار اللہ تعالیٰ کا اور پھر اماں کا شکر ادا کیا۔

بقیہ

صحیح سمت

آمنہ اور زینب کو باقی طلبا کے لیے مثالی شخصیت بننے پر نقد انعام اور ایوارڈ سے نوازا۔ جوش و جذبے سے بھرپور سہیلیاں مزید کچھ کر دکھانے کے لیے پُرعزم تھیں۔ وہ بہت خوش اور مطمئن تھیں ان کا خواب پورا ہوا اور آخر کار لوگوں کی زندگیوں میں مثبت تبدیلی لانے میں کام یاب ہوئیں۔ اپنی کام یابی سے متاثر ہو کر انھوں نے مستقبل میں بھی لوگوں کی بھلائی کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال جاری رکھنے کا عہد کیا۔

وقت گزرتا گیا اور وہ تعلیمی میدان میں ایک اور کام یابی سمیٹ کر کالج پہنچ گئیں۔ کالج میں نیا ماحول تھا اور نئے چیلنج۔ وہ طلبہ کو دیکھتیں اور مستقبل کے بارے میں ان کی فکر مندی کو محسوس کرتیں۔ انھوں نے سوچ رکھا تھا کہ اب کچھ بڑا کریں گی۔ کمپیوٹر سائنس اور جدید سائنس سے دونوں کا تعلق مزید مضبوط ہو چکا تھا اور تو اور ان کے علم میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا۔ کالج میں ان کی چند نئی دوستیں بھی بنیں۔

اک روز آمنہ نے ان سے پوچھا:

"مستقبل میں کیا کرنے کا ارادہ ہے، کیا پڑھنا چاہتی ہو؟"

اس کا سوال سن کر کئی لڑکیوں کے چہروں پر کشمکش واضح ہوئی۔ وہ شش و پنج کی کیفیت میں تھیں۔

"پتا نہیں، کچھ سمجھ نہیں آتی کیا پڑھنا چاہیے۔ ہر کوئی مختلف رائے دیتا ہے، یہ پڑھو، وہ نہ پڑھو۔۔۔ کنفیوژ ہیں کہ کس فیلڈ میں زیادہ اسکوپ ہے۔"

ایسا جواب سن کر آمنہ اور زینب چپ رہ گئیں۔ ان کی سوچ تھی کہ مستقبل کا فیصلہ تو اپنی ترجیحات، پسند اور ذہنی رجحان دیکھ کر کرنا چاہیے۔ دونوں دوستوں نے باہمی مشاورت سے ایک حل نکالا۔ انھوں نے ایک ویب سائٹ بنانے کا فیصلہ کیا۔ ویب سائٹ بنانے کے پیچھے مرکزی خیال یہ تھا کہ طلبہ کو ایسا پلیٹ فارم فراہم کیا جائے، جہاں وہ بلا جھجک اپنے تعلیمی مستقبل کے لیے رہ نمائی طلب کر سکیں۔ کھل کر اک دوسرے سے اپنے میلانات کے بارے بات کر سکیں اور تو اور بیرونِ ملک مقیم طلبہ سے رابطہ کر سکیں، تاکہ ایک جیسے مضامین اور دل چسپی رکھنے والوں سے ماہرانہ مشورہ حاصل کرنے میں کوئی دِقت نہ ہو۔ یوں نہ صرف خیالات کا تبادلہ کیا جا سکے گا بلکہ تعلیمی معاملات اور مطالعہ کے رجحان میں ایک دوسرے کی مدد کی جا سکے گی۔ مزید یہ کہ اس کے نتیجے میں طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے مناسب مواقع اور ملازمتیں دریافت کرنے کا موقع بھی ملتا رہے گا۔

آمنہ اور زینب نے ویب سائٹ بنا کر سبھی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ وہ اتنا آگے کا سوچیں گی، یہ تو کسی نے سوچا ہی نہ تھا۔ دونوں سہیلیوں نے ایک بار پھر اپنے خیال کو حقیقت کا روپ دے کر ثابت کر دیا کہ جدید ٹیکنالوجی دنیا کو ہم سب کے لیے ایک بہتر جگہ بنانے کے لیے واقعی ایک طاقت ور سائنس ہے۔ اس طرح دونوں اپنے سماجی حلقے اور کالج میں بھی مثالی شخصیت بن گئیں۔ انھوں نے نوجوانوں کو حقیقی معنوں میں منفرد تخلیقی خیالات کو سچ کر دکھانے کی نہ صرف ترغیب دی بلکہ اپنے عمل سے کر دکھایا کہ اہم یہ ہے کہ ہم کس طرح ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال معاشرے کے ہر فرد کی زندگی کو سہل بنانے کے لیے کر سکتے ہیں۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

سستی روٹی پراجیکٹ

لاکھوں روٹیاں مستحقین تک

5 روپیہ صرف عزت نفس کی خاطر

سپر فائن آٹا براہ راست بیت السلام ویئر ہاؤس بھی پہنچا سکتے ہیں کم سے کم 50 کلو

ایثار

ہانیہ عبدالشکور

"امی! یہ میرا یونیفارم ہے، میں یہ اختر کو بالکل نہیں دوں گا۔"

جاوید نے ناراضی سے کہا۔

"بیٹا تمہارے پاس دو ہیں، ایک اسے دے دو۔ اس کا یونیفارم خراب ہو گیا ہے۔" امی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں امی! میں نہیں دوں گا، یہ میرا ہے۔ آپ ہمیشہ ہر چیز اسے دے دیتی ہیں۔" جاوید نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! میں ہر چیز کب دیتی ہوں، جو چیز تم استعمال نہیں کرتے ہو یا ان کو ضرورت ہوتی ہے، وہی تو دیتی ہوں۔"

"نہیں! میں نہیں دونگ۔"

"کیا ہو گیا ہے، بھئی؟ اپنی امی کو کیوں تنگ کر رہے ہو؟" سلیم صاحب نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے جاوید سے پوچھا۔

"آپ ہی اسے سمجھائیں، میری تو یہ سنتا ہی نہیں۔" ناہید بیگم نے بے زار ہو کر کہا اور کچن کو چل دیں۔

"ہاں برخودار! کیا مسئلہ آ گیا ہے پھر سے تمہیں؟ کتنی بار کہا ہے اپنی ماں سے ضدمت کیا کرو، ان کی بات مانا کرو۔"

"ابو! میں ان کی ہر بات مانتا ہوں، پر یہ بات نہیں مان سکتا۔"

"ایسی کون سی بات ہے بھئی! جو تم نہیں مان سکتے؟" اسلم صاحب نے گھور کر پوچھا۔

"امی میری ہر چیز اختر کو دے دیتی ہیں، گھر میں جب کچھ پکاتی ہیں تو آپ کے بعد سب سے پہلے اختر اور اس کی امی کے لیے الگ اچھا کھانا رکھ دیتی ہیں۔ وہ سب کچھ انھیں دے دیتی ہیں، مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"کیا تمہیں اچھا کھانا نہیں دیتیں؟" سلیم صاحب نے پوچھا۔

"دیتی ہیں۔۔۔"

"تو بیٹا، ایسے نہیں کہتے۔ آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو" سلیم صاحب نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بس ابو! مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا، جب امی اسے دیتی ہیں۔"

"کیوں بھئی! کیوں اچھا نہیں لگتا؟ کیا اس کے سینگ آ گئے ہیں؟" سلیم صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں ابو! بس مجھے نہیں پسند وہ عجیب متکبر سا ہے۔"

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟ میں خود کئی دفعہ اُس سے ملا ہوں، بہت ہی شریف اور فرماں بردار بچہ ہے۔"

"ابو! جب بھی اس سے بات کرو، ہوں ہاں سے زیادہ جواب نہیں دیتا اور نہ وہ میرا ہوم ورک کرتا ہے۔"

"کیوں برخودار! وہ تمہارا ہوم ورک کیوں کرے گا؟" سلیم صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اسے چیزیں دیتے ہیں تو وہ میرا ہوم ورک نہیں کر سکتا؟"

سلیم صاحب سنجیدہ ہو کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: "وہ تمہیں ہوم ورک اچھی طرح سمجھا دیتا ہے، پھر بھی تم چاہتے ہو وہ تمہارے حصے کا کام کرے۔"

دیکھو برخودار! ہوم ورک تمہاری ذمہ داری ہے اور اسے کسی دوسرے سے کروانا بددیانتی ہے۔

یہ بتاؤ! تم دن میں کتنی بار نماز پڑھتے ہو؟

اس سوال پر جاوید چونک گیا اور شرمندگی سے بولا:

"بس ایک"

"جس اللہ نے تمہیں بنایا، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک کی نعمت دی، صحت دی، دیگر بے شمار نعمتوں سے نوازا، جو تمہیں دن رات نواز رہا ہے، اس کا کام تم خود کر نہیں رہے اور دوسروں سے توقع کر رہے ہو کہ وہ تمہارا کام کریں کیوں کہ بقول تمہارے تم انھیں دے رہے ہو۔" جاوید کا سر ندامت سے جھک گیا۔

"اگر اللہ نہ چاہے تو کیا تم ایک قدم بھی آگے بڑھ سکتے ہو؟ اگر وہ نہ چاہے تو کیا تم اپنے سامنے پڑا سیب اٹھا کر کھا سکتے ہو؟"

"نہیں ابو! اللہ کے حکم و مرضی کے بغیر یہ نہیں ہو گا۔"

"تو کیا تمہیں لگتا ہے اللہ کی مرضی کے بغیر تم کسی کو کچھ دے سکتے ہو؟ اگر اللہ تمہیں نہ نوازے یا توفیق نہ دے تو کیا تم کسی کو ایک لقمہ بھی دے سکتے ہو؟ اگر وہ اپنی نعمتیں تم سے واپس لے لے تو کیا تم ان چیزوں کو واپس لے سکتے ہو؟ کسی کو دینا تو دور کی بات ہے۔" جاوید نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"نہیں ابو! اللہ کی مرضی و مدد کے بغیر ممکن نہیں۔"

"بالکل! یہی میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ اگر اللہ نہ چاہے تو تم کسی کو کچھ نہیں دے سکتے۔ وہ کسی کو دے کر آزماتا ہے کہ آیا وہ بندہ اُس کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اس کے ضرورت مند بندوں کی مدد کرتا ہے یا نہیں اور کسی سے لے کر آزماتا ہے کہ وہ بندہ صبر سے کام لیتا ہے؟ اور اس کے احکامات سے، اس کے دَر سے پھر تو نہیں جاتا۔ دیکھو بیٹا! یہ دنیا کی زندگی آزمائش ہے اور اس آزمائش میں وہی کامیاب ہو گا جو اللہ اور خاتم النّبیّین حضرت محمد ﷺ کے حکم کی پیروی کرے گا۔ جو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اُس کی راہ میں لگائے گا، جو اُس کی مخلوق کی مدد کرے گا، اُن کے غم دور کرے گا نہ کہ ان کے غم کی وجہ بنے گا۔ اگر اللہ نہ کرے آج میری نوکری چلی چھوٹ جائے یا میرا انتقال ہو جائے تو کیا تم ویسی ہی زندگی گزار پاؤ گے، جیسی اب گزار رہے ہو؟ کیا ویسا ہی کھا، پی، پہن سکو گے جیسا اب کھا، پی رہے ہو؟ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے بیٹا! کب کس کے حالات بدل جائیں یہ صرف اللہ جانتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ اللہ سے اچھی دعا کرنی چاہیے اور اُس کے بندوں کی مدد کرنی چاہیے، تاکہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ رہے۔

ہمارے پیارے نبی رحمتہ العالمین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے، جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (صحیح مسلم)

اسلام تو ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ کھانے کا شوربہ زیادہ کر لو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔

اب بھلا ہم اپنے مسلمان بہن بھائیوں کی تکلیف سے کس طرح غافل رہ سکتے ہیں؟

"اختر بھی تو بے چارا یتیم ہے۔ اس کی والدہ سلائی کڑھائی کر کے محنت سے اسے پال رہی ہیں۔ اب کیا ایسے میں ہمارا یہ فرض نہیں کہ ہم اپنے پڑوسیوں کی ان کے مشکل وقت میں جتنا ممکن ہو مدد کریں؟"

"ابو! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگتا ہوں۔"

میں اب ان شاء اللہ اختر کو کبھی تنگ نہیں کروں گا اور اللہ کی مدد سے اس کا ہر اچھے کام میں ساتھ دوں گا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ مل کر باقاعدگی سے نماز بھی پڑھوں گا۔ جاوید نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"ماشاء اللہ بیٹا! اللہ تمہیں جزائے خیر دے اور نیکی پر استقامت عطا فرمائے۔" سلیم صاحب نے جاوید کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

چھوٹی ملکہ

قانتہ رابعہ

جوں ہی اسکول میں تفریح کا وقت ہوا، امیمہ نے چہکتے ہوئے اپنے لنچ باکس میں سے چمچ نکال کر میز پر بجایا ٹن ٹن، قسم کی بلند آواز سن کر کمرے سے نکلتی ہوئی لڑکیاں مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

امیمہ کلاس کی سب سے امیر لڑکی تھی۔ بڑی ساری گاڑی میں اسکول آتی باوردی ڈرائیور اور اسکول کے دروازے تک بیگ اٹھانے کے لیے ماسی ساتھ ہوتی، اس کی امی سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر تھیں اور اس کے ابو کسی بڑی کمپنی کے ڈائریکٹر تھے۔ اس کے علاوہ ان کی زمینیں اور وسیع باغات نے انھیں شہر کے امیر لوگوں میں شامل کر دیا تھا۔

امیر گھرانے کی بچیوں والے سارے ناز نخرے اس کے اندر پائے جاتے تھے۔ آئے دن وہ سالگرہ یا کسی نہ کسی حوالے سے چاکلیٹ اور چپس وغیرہ کے ڈھیر سارے پیکٹ جوس وغیرہ لا کر لڑکیوں میں بانٹتی تو سب ہی لڑکیاں اس کے ارد گرد رہتیں، سوائے فاطمہ حسن کے۔۔۔ وہ امیمہ سے عادات میں بالکل الگ ہی تھی، صاف ستھری اور ہنس مکھ بچی! گو وہ اسکول میں چند ماہ قبل ہی داخل ہوئی تھی۔ امیمہ اپنے امیر ہونے کا جتنا تذکرہ کرتی بہانے بہانے سے اپنی مہنگے مال سے خریداری روز ہی پیزا، برگر کھانے کی کہانیاں سناتی، وہ اتنا ہی نظر انداز کرتی تھی، یہاں تک کہ بہت سے لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ فاطمہ کہاں پر رہتی ہے۔

اب بھی امیمہ کو چہکتا دیکھ کر سب کے پاؤں تھم گئے سوائے فاطمہ حسن کے۔۔۔

امیمہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو تھیں، یعنی یہ کیسے ممکن ہے وہ کلاس کی لڑکیوں سے رکنے کا کہے اور ان میں سے ایک رکنے کی بجائے منہ اٹھا کر کلاس روم سے باہر نکل جائے۔

امیمہ نے اب کے فاطمہ کا نام لے کر مخاطب کیا:

مس فاطمہ حسن! ایک ضروری اعلان سنیے! امیمہ نے ہاتھوں کو جوڑ کر مائیک کی شکل میں ہونٹوں سے جوڑا اور بلند آواز سے بولی۔

”کل اتوار ہے، بڑا اتوار ہے۔“

”افوہ! اب بتاؤ بھی کیا بات ہے، رُک کیوں گئی ہو؟“ دانیہ محسن نے بے تابی سے امیمہ سے کہا۔

”چھوٹو کی ہے سالگرہ، کھانا مزے دار ہے۔“

لہکتے ہوئے امیمہ نے اپنا پروگرام گانے والے انداز میں نشر کیا۔

”میں تم سب کو دعوت دے رہی ہوں کہ کل میرے چھوٹے بھائی کی سالگرہ ہے، میری طرف سے آپ سب کو شرکت کی دعوت ہے، مما سب کے لیے بریانی اور قورمہ دیگ بنوائیں گی۔ کھانے کے بعد آئسکریم پیش کی جائے گی، برائے مہربانی اپنی آمد کے بارے میں بتایئے، تاکہ میں مما کو پکا پکا بتا سکوں۔“

امیمہ نے فاطمہ سے پوچھا: ”فاطمہ تم نہیں آؤ گی؟ کیا گھر کے بڑوں سے اجازت کا مسئلہ ہے؟“

امیمہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ آنا ہی نہیں چاہتی، اس لیے اس نے براہِ راست فاطمہ کو مخاطب کیا تھا۔

”اے فاطو! کیا تم بھی نہیں آو گی؟ پہلے بھی ہمیشہ بہانہ بنا کر ٹال دیتی ہو!“

فاطمہ چپ رہی، کچھ نہیں بولی تو امیمہ نے دوبارہ پوچھا تو آہستہ سے جواب دیا:

”مجھے اجازت کا مسئلہ نہیں، بس کل میں مصروف ہوں گی، کیوں کہ کل گھر کے کاموں کی میری باری ہے میں نہیں آسکتی۔“ فاطمہ نے دوٹوک جواب دیا۔

”کام۔۔۔ بھئی کون سے کام؟ کیا تم جھاڑو پونچا کرتی ہو گھر میں؟“ امیمہ نے مزاحیہ انداز میں اسے چھیڑا۔

”یہی سمجھ لو۔“ فاطمہ بولی۔

”کیا واقعی! تم گھر کے کام کرتی ہو؟ کیا تمہارے ہاں کوئی نوکرانی نہیں ہے۔ اوہ میرے خدایا! تم اتنی چھوٹی سی ہو کے گھر کے کام کرتی ہو؟ کیا تم لوگ بہت غریب ہو۔“ امیمہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

”چھوٹی۔۔۔؟ میں پورے پندرہ سال کی ہوں۔ ہم تو چار سال کے بھی نہیں ہوتے تو امی ہم سب بہن بھائیوں کے ذمے کچھ نہ کچھ کام ضرور لگا دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب کو گھر کے کچھ کام ایسے ضرور آنے چاہییں کہ ماں باپ، بڑے بہن بھائی گھر میں نہ بھی ہوں تو کسی سے کہنا نہ پڑے۔ پچھلے سال امی ابو حج پر گئے تو دادی جان ہمارے پاس رہنے کے لیے آئیں، لیکن ہم سب بہن بھائیوں نے گھر میں سارے کام تقسیم کر لیے تھے، اس لیے واقعی ہمیں مشکل نہیں ہوئی تھی۔“ یہ بتاتے ہوئے اس کی دونوں آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔

امیمہ کے لیے یہ سب کچھ بہت حیران کن تھا۔ وہ فاطمہ کے قریب ہوئی اور اشتیاق سے پوچھا:

”کتنی عجیب بات ہے، ویسے تمہیں کون کون سے کام آتے ہیں؟“

”مجھے آٹا گوندھنا، روٹی بنانا، سبزی کاٹنا، برتن دھونا، سلاد بنانا، آلو کے چپس، چائے، آملیٹ بنانا آتا ہے۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے کپڑے استری کر لیتی ہوں، سب کے کپڑے جب استری ہو جائیں تو ہینگر میں ڈال کر لٹکانے کی ذمے داری ہے اور بھی بہت سے کام آتے ہیں مجھے۔“ فاطمہ بہت خوشی سے بول رہی تھی۔ ”کاموں کا تو مجھے بھی شوق ہے، لیکن ماما کہتی ہیں ابھی پڑھائی پر دھیان دو، ویسے بھی گھر میں دو کام والی ملازمائیں آتی ہیں۔“ امیمہ نے بتایا۔

فاطمہ نے کہا: ”میری امی بتاتی ہیں انھیں نانی اماں نے سارے کام سکھائے، کام کرنا کوئی غریبی امیری سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ پیارے نبی ﷺ اور ان کی بیویاں اور پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ بھی خود کام کرتی تھیں۔“ پیارے نبی ﷺ کی بیٹی سیدہ فاطمہ کے نام پر میرے بابا نے میرا نام رکھا ہے اور میرے بابا نے مجھے ان کے بارے میں اتنا کچھ بتایا ہے کہ وہ جنت کی عورتوں کی ملکہ ہوں گی۔ بابا کہتے ہیں جنت کی خواتین کی ملکہ ہونے کے باوجود گھر میں کام کرتے کرتے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے ہاتھ سے آٹا گوندھ کر روٹی بنا کر کھلاتی تھیں اگر وہ گھر کے سارے کام کر سکتی ہیں تو کیا میں نہیں کر سکتی؟

وہ تو دو جہانوں کے بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ فاطمہ کی گفتگو سن کر امیمہ گم سم کھڑی تھی۔ اسے خاموش دیکھ کر فاطمہ بولی:

”اپنی غلط فہمی دور کر لو۔ کاموں کا تعلق امیری غریبی سے نہیں، نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے، اگر وہ گھر کے کاموں میں مدد کر سکتے تھے، اپنا پھٹا کپڑا خود سیتے، باقی کام خود کرتے تو ہم

کیوں نہیں کر سکتے۔ میرے بابا تو خود گھر میں ماما کے ساتھ مدد کرواتے ہیں۔" فاطمہ جوش میں بتانے لگی۔

تمہارے بابا کیا کرتے ہیں؟" ایسے ہی امیمہ نے پوچھ لیا۔

"جس ہاسپٹل میں تمہاری ماما ڈاکٹر ہیں، میرے بابا وہاں ایم ایس ہیں۔" فاطمہ نے تعارف دیا۔

امیمہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا واقعی۔۔۔اوہ مائی گاڈ! کیا کہا تم نے۔۔۔؟ پھر آہستہ سے بولی۔

"ہاں، تم ٹھیک کہتی ہو فاطمہ! ابھی کچھ دن قبل مما کہیں گئی ہوئی تھیں، ایک نوکرانی کام کر کے جا چکی تھی، دوسری تین دن سے چھٹی پر تھی تو بابا نے کہا مجھے چائے بنا دو، مجھے چائے بنانا ہی نہیں آتی تھی، میں کیسے بناتی؟ واقعی فاطمہ اس وقت مجھے بھی شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

"یہی نہیں، میرا چھوٹا بھائی سات سال کا ہے۔ اس کے کل چوٹ لگی تو مجھے پٹی باندھنا بھی نہیں آتی تھی۔" امیمہ کے لہجے میں ایک دم اداسی آ گئی تھی، اس کے دل پر بھی فاطمہ کی باتوں کا اثر ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں، اگر شوق ہو تو ہر کام سیکھنا آسان ہوتا ہے، بس تم اپنے کام خود کرنا شروع کر دو۔ تمہیں سارے کام خود بخود آ جائیں گے۔ یہ سوچ کر کہ پیارے نبی ﷺ بھی اپنے سارے کام خود ہی کرتے تھے۔ جھاڑو تک خود لگا لیتے، وہ تو دو جہانوں کے بادشاہ تھے، دنیا کے سب سے امیر ترین انسان، پھر کیسی شرم؟" فاطمہ نے اسے تسلی دی۔

"اپنے کام کیسے کروں؟ مجھے بھی تو بتاؤ" امیمہ کے چہرے پر خوشی دکھائی دی۔

"وہ ایسے پیاری سہیلی کہ اپنے جوتے خود پالش کرو، جیسے میں کرتی ہوں۔ اپنے کپڑے خود استری کرو، جیسے میں کرتی ہوں۔ اپنی الماری کی خود صفائی کیا کرو، جیسے میں کرتی ہوں، اگر ہو سکے تو اپنے لیے کھانا بھی خود ہی گرم کر لیا کرو وغیرہ وغیرہ" فاطمہ نے کہا۔

"لیکن سنت سمجھ کر ثواب کی نیت سے! بلکہ کام کرتے ہوئے اس وقت اپنے آپ کو ملکہ سمجھا کرو، چھوٹی سی ملکہ!!!"

"واہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے، میں تو ہوں بھی چھوٹی سی ملکہ۔۔۔!!"

امیمہ کے یہ کہنے پر فاطمہ اور پیچھے کھڑی لڑکیوں نے بے ساختہ قہقہ لگایا۔

گھنٹی بہت پہلے کی بج چکی تھی۔ مس نویدہ دروازے میں کئی منٹوں سے کھڑی فاطمہ کی گفتگو سن کر سوچ رہی تھیں، کئی مرتبہ ہمارے چھوٹے عقل اور سمجھ میں ہم بڑوں سے بہت آگے ہوتے ہیں، جیسے فاطمہ! جس کی سمجھ اور نیکی نے امیمہ جیسی بچی کو بھی بہت بڑی بات منٹوں میں سمجھا دی۔ واقعی نیک کی خوشبو اور طاقت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔۔۔

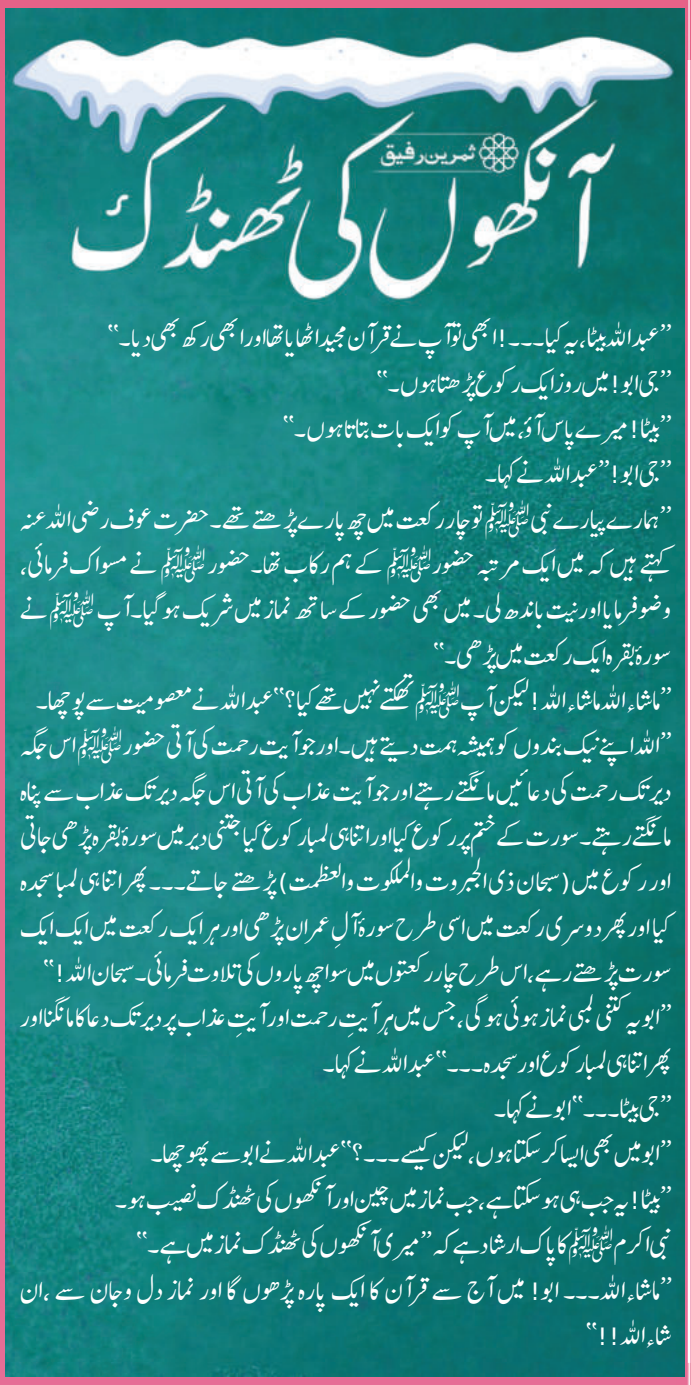

ثمرین رفیق

آنکھوں کی ٹھنڈک

"عبداللہ بیٹا، یہ کیا۔۔۔! ابھی تو آپ نے قرآن مجید اٹھایا تھا اور ابھی رکھ بھی دیا۔"

"جی ابو! میں روز ایک رکوع پڑھتا ہوں۔"

"بیٹا! میرے پاس آؤ، میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں۔"

"جی ابو!" عبداللہ نے کہا۔

"ہمارے پیارے نبی ﷺ تو چار رکعت میں چھ پارے پڑھتے تھے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ہم رکاب تھا۔ حضور ﷺ نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا اور نیت باندھ لی۔ میں بھی حضور کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی۔"

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ! لیکن آپ ﷺ تھکتے نہیں تھے کیا؟" عبداللہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"اللہ اپنے نیک بندوں کو ہمیشہ ہمت دیتے ہیں۔ اور جو آیت رحمت کی آتی حضور ﷺ اس جگہ دیر تک رحمت کی دعائیں مانگتے رہتے اور جو آیت عذاب کی آتی اس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے۔ سورت کے ختم پر رکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی اور رکوع میں (سبحان ذی الجبروت والملکوت والعظمت) پڑھتے جاتے۔۔۔ پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا اور پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آلِ عمران پڑھی اور ہر ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے، اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ پاروں کی تلاوت فرمائی۔ سبحان اللہ!"

"ابو یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہو گی، جس میں ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر دیر تک دعا کا مانگنا اور پھر اتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ۔۔۔" عبداللہ نے کہا۔

"جی بیٹا۔۔۔" ابو نے کہا۔

"ابو میں بھی ایسا کر سکتا ہوں، لیکن کیسے۔۔۔؟" عبداللہ نے ابو سے پھوچھا۔

"بیٹا! یہ جب ہی ہو سکتا ہے، جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"

"ماشاء اللہ۔۔۔ ابو! میں آج سے قرآن کا ایک پارہ پڑھوں گا اور نماز دل و جان سے، ان شاء اللہ!!"

اشمل تسلیم

میں اور میری کتابیں

میں کتابوں کو محض پڑھنے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ میں کتابیں اپنے اندر اتارتی ہوں، ان سے محبت کرتی ہوں، ان سے پیار کرتی ہوں۔ ایک ایک حرف کو توجہ کے ساتھ دل و دماغ کے قفس میں قید کرتی ہوں۔ ہر بات بغور پڑھتی ہوں اور اس کو یاد رکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ ہر پیرائے کے مثبت و منفی گوشوں پر غور کرتی ہوں اور کتابوں کی خوشبو کو سانسوں میں شامل کرتی ہوں۔ ان کے دیدار سے آنکھوں کو پُرنور کرتی ہوں۔ ان کے کرداروں کے ساتھ ہنستی اور مسکراتی ہوں، ان کے حادثوں کے سبب آنسوں بہاتی ہوں۔ ان کے ساتھ جیتی ہوں، ان کے لیے جیتی ہوں۔

میں کتابوں کے سمندر میں اس حد تک ڈوب جاتی ہوں کہ ارد گرد سے بیگانہ ہو جاتی ہوں اور ہر کہانی میں گویا میں بذاتِ خود موجود ہوتی ہوں، بالکل خوابوں کی طرح جن کو دیکھنے والا دل و دماغ اور روح کے ساتھ ان کے اندر موجود ہوتا ہے جب آنکھ کھلتی ہے تو خواب ٹوٹتا ہے۔ میں کتابوں کے ایک ایک ورق کی حفاظت کے لیے حتی الامکان محنت کرتی ہوں، میں کتابوں سے عشق کرتی ہوں۔ ان میں میری دنیا بستی ہے جس کے حسن کو بیان کرنا ممکن نہیں، وہ اِک جہاں ہے جو اس جہانِ فانی سے پرے ہے وہ خوشیوں کا سماں ہے، بہار کا موسم ہے اور رنگوں سے مزین قوسِ قزح ہے۔ میں کتابوں پر مرمٹی ہوں، خود کو فراموش کر چکی ہوں۔

میری کتابوں کا ہر کردار میری نظر میں ایک اہم شخصیت ہے۔ میری کتابوں کا ہر لفظ میرے لیے محبت ہے، میری کتابوں کا ہر انداز میرے لیے رہبر ہے، میری کتابوں کا ہر مصنّف میرے لیے استاد ہے، میری کتابوں کی ہر سطر میرے لیے نصیحت ہے۔ میری کتابیں میرے لیے اس نشے کی مانند ہے جسے ترک کرنا ممکن نہ ہو۔ میں اپنی کتابوں کی خاطر اپنا ہر لمحہ فراموش کرنا چاہتی ہوں۔ میری کتابیں میری زندگی ہیں، دھڑکنوں سے منسلک ہیں۔ مختصر یہ کہ کتاب ہے تو حیات ہے، نہیں تو سب ویران ہے۔

جو چاہو، وہ مانگو

فاکہہ قمر

"سب بچے کان کھول کر میری بات سن لیں۔" امی نے گھر میں موجود بچوں کو ایک ساتھ تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا امی!" حیدر نے پوچھا۔

"گھر میں مہمان آرہے ہیں، آپ کی پھوپھو اور تایا جان، خبردار! مجھے کسی نے تنگ کیا یا ان کے سامنے کوئی فضول فرمائش کی، سمجھ آئی؟" امی نے حیدر، نور اور آمنہ کو ایک ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جی امی!" نور اور آمنہ نے یک زبان ہو کر کہا جب کہ حیدر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

فریحہ بیگم کے تین بچے تھے، آمنہ اور نور جڑواں تھیں، حیدر چھوٹا تھا۔

چند سال پہلے شوہر کی وفات کے بعد فریحہ بیگم نے بچوں کی پرورش کے ساتھ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی، لیکن پھر بھی کہیں کوئی نہ کوئی کسر رہ جاتی تھی۔ آمنہ اور نور اپنی امی کی طرح صبر اور شکر سے کام لیتی تھیں، لیکن حیدر کی طبیعت میں لاابالی پن تھا اور وہ تھوڑا منہ پھٹ بھی تھا۔ اسی چیز کو دیکھتے ہوئے اسے امی ہمیشہ تنبیہ کرتیں، جب بھی گھر میں مہمان آتے تھے۔

"السلام علیکم پھوپھو! کیسی ہیں آپ؟" حیدر نے آگے بڑھ کر پھوپھو کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! میرا شہزادہ کیسا ہے؟" پھوپھو نے پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں۔" حیدر ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔

"اور بیٹا کوئی پریشان تو نہیں؟" تایا جان نے حیدر سے پوچھا۔

"جی تایا بہت پریشانی ہے، میرے پاس سائیکل نہیں ہے جبکہ میرے سب دوستوں کے پاس ہے۔ ماما کو اتنی دفعہ کہا ہے، لیکن وہ لے کر نہیں دے رہیں۔" حیدر نے جھٹ سے اپنا مسئلہ بتایا اور منہ نیچے کر لیا۔

باورچی خانے میں کام کرتی فریحہ بیگم کو یہ سن کر ایسا لگا کہ جیسے کسی نے ان کے سر پر گرم پانی انڈیل دیا ہو۔ نور اور آمنہ کو سبکی کا احساس ہوا، لیکن حیدر اپنی طبیعت کے باعث اسی انداز میں بات کرتا رہا جیسے اسے کسی چیز کا فرق نہیں پڑتا۔

"آپ فکر نہ کرو، میں اپنے بیٹے کو پیاری سی سائیکل لے دوں گا۔" تایا جان نے اپنے مرحوم بھائی کے اکلوتے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا، دوسری طرف فریحہ بیگم شرمندگی سے منہ چھپا رہی تھیں۔

مہمانوں کے جاتے ہی آمنہ اور نور غصے سے حیدر کے سر پر سوار ہو گئیں اور فریحہ بیگم مارے بے بسی کے رونے لگیں۔ فریحہ بیگم بہت خوددار خاتون تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد وہ اپنی مدد آپ کے تحت بچوں کو پال پوس رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کے بچے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں، لیکن یہاں معاملہ الٹ تھا۔

"ماما! آپ مجھ سے کیوں ناراض ہو رہی ہیں۔ میں نے ایسا کیا کر دیا ہے۔" حیدر کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ سب اس سے خفا کیوں ہیں۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ کسی سے کچھ نہیں مانگنا۔" فریحہ بیگ نے لاچاری سے کہا۔

"ماما! وہ کوئی غیر تھوڑی ہیں ہمارے اپنے ہیں۔" حیدر نے اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے دلیل دی۔

"بھائی جان اور باجی کتنی دنوں بعد ہمارے گھر آئے تھے، وہ کیا سوچیں گے؟" فریحہ بیگم کو بار بار شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔

"اوہو ماما! وہ کچھ نہیں سوچتے۔ ہم ان سے نہیں مانگیں گے تو کس سے مانگیں گے؟" حیدر ابھی تک اپنی بات پر قائم تھا۔

"حیدر! ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہی ہمارا رازق ہے، اسی نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں رزق دے گا۔" فریحہ بیگم نے ایک بار پھر سے حیدر کو احساس دِلایا۔

"جی وہ تو ٹھیک ہے، لیکن۔۔۔" ابھی حیدر کی بات جاری تھی کہ فریحہ بیگم درمیان میں بول پڑیں۔

"جس ذات نے ہم پر آزمائش اور کڑا وقت ڈالا ہے، وہ ہمیں اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے ہمیں کسی کے سہارے پر نہیں رہنا چاہیے، صرف اُسی سے مدد مانگنی چاہیے۔" فریحہ بیگم نے حیدر کو کہا۔

"تو کیا میں سائیکل بھی اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟" حیدر نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں! جو چاہو مانگو، لیکن صرف اللہ سے۔۔۔ کسی انسان کے آگے ہاتھ مت پھیلاؤ۔" فریحہ بیگم اپنی بات کہہ کر کمرے میں چلی گئیں اور حیدر خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔

اسی وقت عصر کی اذان ہوئی۔

حیدر نے وضو کیا، نماز ادا کی اور سجدے میں جھک کر اپنے رب سے باتیں کرنے لگا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کب اور کیا کچھ مانگنا چلا گیا۔ جب مانگ کر دل ہلکا ہو گیا تو اُٹھ بیٹھا۔

اگلے دن دروازے پر گھنٹی بجی تو سامنے تایا جان ایک نئی سائیکل کے ساتھ بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے کھڑے تھے۔ حیدر نئی سائیکل کو دیکھ کر بہت خوش تھا، لیکن جب تایا جان نے شاپر سے ایک ڈبہ نکال کر حیدر کی جانب بڑھایا تو وہ دنگ رہ گیا، کیوں کہ اس ڈبے میں ایک خوب صورت اسپورٹس واچ تھی جو حیدر کو بہت پسند تھی اور اس نے کل ہی اللہ سے مانگی تھی۔ اب اسے اپنی امی کی کہی باتوں کی سمجھ آگئی تھی۔

اس دن کے بعد سے حیدر نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اللہ سے کرتا تھا اور وہ وقت آنے پر پوری ہوتی تھیں۔

فریحہ بیگم خوش تھیں کہ دیر سے ہی سہی، لیکن ان کے بیٹے کو سمجھ تو آگئی تھی۔

درخت کی پریشانی

آسیہ فاطمہ

سبق آموز ایک تمثیلی کہانی

"کیا آپ میری جگہ لے سکتے ہیں؟"

یہ سوال سن کر آپ کو حیرت تو ہو گی، مگر یہ سوال کسی انسان نے نہیں بلکہ ایک درخت نے کیا تھا، جو ایک گھنا، مضبوط، سالوں پرانا درخت تھا اور بڑی شان سے گاؤں کے درمیان کھڑا تھا۔

دھوپ تیز تھی۔ زمین جھلس رہی تھی۔ گاؤں کے لوگ روزانہ کی طرح درخت کے نیچے بیٹھ کر سائے میں آرام کر رہے تھے۔ پرندے بھی اسی کی شاخوں پر چہچہاتے، گرمی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا، مگر ایک دن درخت نے اچانک فیصلہ کر لیا کہ "اسے اب یہاں نہیں رہنا۔"

یہ فیصلہ کوئی معمولی نہیں تھا کیوں کہ پرانے درخت یوں ہی اپنی جگہ نہیں چھوڑا کرتے، لیکن اس درخت کو سب سے شکایت تھی۔

"مجھے کوئی نہیں دیکھتا، کوئی میرا ذکر نہیں کرتا۔ لوگ صرف میرے سائے میں بیٹھتے ہیں، میرے پھل کھاتے ہیں، میری ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہیں، پر کوئی نہیں سوچتا کہ میں کون ہوں؟ میں کیسا محسوس کرتا ہوں؟ کوئی میرا شکریہ تک ادا نہیں کرتا۔" درخت نے شکوہ کیا اور ایک اپنی جڑوں کو زمین سے نکالنے کا فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں جا رہا ہوں، کسی ایسی جگہ جہاں میری اہمیت سمجھی جائے۔"

یہ سن کر گاؤں کے لوگ حیران رہ گئے۔ "درخت! آپ کہاں جائیں گے؟" ایک بوڑھے آدمی نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم! پر میں وہاں جاؤں گا جہاں لوگ میری قدر کریں۔" درخت نے جواب دیا۔

پھر وہ چل پڑا اپنی جڑوں پر۔۔۔ یہ عجیب منظر تھا۔ ایک بڑا درخت زمین سے جڑیں نکال کر دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔

پہلے وہ ایک باغ میں پہنچا، جہاں پہلے سے ہی بہت سے درخت کھڑے تھے۔ وہ ان کے پاس گیا اور بولا: "میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن آپ کو یہاں بھی وہی کام کرنا ہوگا، سایہ دینا، پھل دینا اور ہوا دینا۔" دوسرے درختوں نے جواب دیا۔

درخت کچھ دیر سوچتا رہا، پھر آگے چل دیا۔ وہ ایک ایسی جگہ جانا چاہتا تھا، جہاں اسے صرف آرام ملے، بغیر کسی خدمت کے! چلتے چلتے وہ ایک بڑے شہر میں پہنچا۔ عمارتوں کے بیچ، اونچے ستونوں کے درمیان، جہاں سائے کی کمی تھی۔ وہاں کے لوگ درخت کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔

"یہاں رُک جائیے! ہمیں سایہ دیجیے!" ایک آدمی نے کہا۔

"نہیں، میں یہاں آرام کے لیے آیا ہوں۔" درخت ناک چڑاتے ہوئے بولا۔

"پر آپ درخت ہیں، آپ کا کام ہے سایہ دینا۔" دوسرے آدمی نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر درخت کو غصہ آ گیا اور وہ "بس! میں یہاں بھی نہیں رُکوں گا۔" کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ چلتے چلتے وہ اتنا آگے چلا گیا، یہاں تک کہ وہ ایک صحرا میں پہنچ گیا، جہاں دور دور تک ریت ہی ریت تھی، کوئی انسان نہ پرندے، نہ کوئی سایہ مانگنے والا۔

"یہی وہ جگہ ہے، جہاں میں سکون سے رہ سکتا ہوں۔"

درخت نے خوش ہو کر سوچا اور اپنی جڑیں زمین میں گاڑ دیں۔

"اب کوئی میرے سائے میں نہیں بیٹھے گا، کوئی میرے پھل نہیں کھائے گا، کوئی میری ٹھنڈی ہوا کو محسوس نہیں کرے گا۔"

درخت سوچتے ہوئے مطمئن ہو کر آنکھیں موندھ گیا۔ پہلے دن تو درخت کو خوب مزہ آیا۔ مکمل خاموشی، کوئی پریشان کرنے والا نہیں۔

دوسرا دن بھی ٹھیک گزرا، مگر تیسرے دن درخت کو محسوس ہوا کہ کچھ غلط ہے۔ ہوا نہیں، چہچہاہٹ نہیں، باتیں نہیں، کوئی سایے میں بیٹھنے والا نہیں۔

"یہ کیسی زندگی ہے؟" درخت نے خود کلامی کی۔۔۔ مگر کچھ جان نہ پایا، پھر چند دن بعد درخت کی شاخیں سوکھنے لگیں۔ زمین میں پانی نہیں تھا، پرندے نہیں تھے، لوگ نہیں تھے۔

تب اسے احساس ہوا۔

"میری اہمیت تو میری خدمت میں تھی، یعنی سایہ دینا، پھل دینا، ہوا دینا اور یہی میرا اصل وجود تھا، اگر میں دوسروں کے کام نہ آ سکوں تو میں تو کچھ بھی نہیں۔"

آخر کار! درخت کو سمجھ آ گئی اور وہ واپس لوٹ آیا۔ گاؤں کے لوگ اس کی واپسی پر خوش ہو گئے اور آگے بڑھ کر اس کا خوش دلی سے استقبال کیا۔ پرندے بھی پھر سے اس کی شاخوں پر آ بیٹھے اور سایہ دوبارہ زندگی بانٹنے لگا۔

درخت مسکرا دیا اور بولا: "اب میں خوش ہوں۔"

کیوں کہ اس نے جان لیا تھا کہ ہماری اصل پہچان ہمارے کام، ہماری خدمت اور دوسروں کے لیے ہماری محبت میں ہوتی ہے۔ دوسروں کے لیے کچھ کرنا ہی ہمیں حقیقت میں مکمل بناتا ہے۔

ناشکرا بھالو

خرم فاروق ضیا

پیارے بچو جنگل میں اک بھالو رہتا تھا — جب دیکھو وہ ناشکری کی باتیں کہتا تھا
کہتا تھا میں موٹا ہوں اور بھدا لگتا ہوں — موٹی سی ہے ناک میری اور کالا دِکھتا ہوں
چھوٹی چھوٹی ٹانگوں سے میں دوڑ نہیں سکتا — چڑھ کے درختوں پر میں پھل بھی توڑ نہیں سکتا
مجبوراً اس حالت میں مجھے رہنا پڑتا ہے — دکھ ہوتا ہے لیکن دکھ کو سہنا پڑتا ہے
ان باتوں پر بڑے اسے سمجھایا کرتے تھے — رب کی دی گئی ہر نعمت گنوایا کرتے تھے
بڑے بزرگوں کی یہ باتیں کب وہ سنتا تھا — وہ تو بس اپنی ہی اک دنیا میں رہتا تھا
اور پھر اک دن اس جنگل میں آ ٹپکا اک شیر — کیا بکری کیا بھینسا اس نے سب کو کر دیا ڈھیر
ٹانگ چبا لی اس نے کسی کی اور کسی کی دم — یہ سب دیکھ کے بھالو کی تو ہو گئی سٹی گم
بچتے بچاتے وہ اک اونچی غار میں جا پہنچا — شیر بھی آخر اس کے پیچھے پیچھے آ پہنچا
غار میں تھا اک شہد کا چھتہ، شیر کا لگ گیا ہاتھ — مکھیوں نے پھر خوب کبڈی کھیلی شیر کے ساتھ
بھالو بچ گیا کیونکہ بھالو کی تھی موٹی کھال — ڈنگ تو مارے مکھیوں نے پر گلی نہ ان کی دال
شیر وہاں سے جان بچا کر بھاگا آخر کار — جاتے جاتے اس نے پلٹ کر پھر سے کیا اک وار
بھالو نے بھی زور لگا کر مارا اک دھکا — شیر پھسل کر نیچے گرا اور ختم ہوا قصہ
موٹا بھالو اب نہیں لیتا ناشکری کا نام — شکرِ خداوندی کرتا ہے وہ اب صبح و شام
بڑے بزرگوں کی سب باتیں سچی ہوتی ہیں — رب کی عطا کردہ سب نعمتیں اچھی ہوتی ہیں

بچوں کے فن پارے

حوریہ عبد الغفور،14 سال کراچی

رامین فاطمہ،7 سال فورٹ عباس

عدن عرفان ، 12 سال فورٹ عباس

عائشہ ادریس 11 سال راول پنڈی

عنایا عمر ۔ 8 سال کراچی

عدن فاطمہ 12 سال چونیاں

منابل رفیق ، 10 سال میر پور خاص

ماریہ جبران 9 سال کراچی

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ لاہور سے زوہا عرفان کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

چھوٹی بات کا بڑا پیغام

پیارے بچو! روزانہ ایک اچھا کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ چھوٹا سا کام بھی روزانہ کرنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ مثلاً، روزانہ ایک نئی بات جانیں، عربی زبان کا روزانہ ایک نیا لفظ سیکھیں، یا قرآن پاک کی ایک آیت یاد کریں، جو بچے پہلے ہی یہ کام کر رہے ہیں وہ کوئی دوسرے اچھے کام منتخب کر سکتے ہیں۔ دیکھنے میں یہ کام چھوٹے ہیں، لیکن روزانہ کرنے سے ہفتے میں سات اور مہینے میں تیس سے زیادہ کام مکمل ہو جائیں گے! جیسے پانی کی بوند بوند پتھر میں شگاف ڈال دیتی ہے، ویسے ہی چھوٹا سا کام بھی مسلسل کرنے سے بہت بڑا اثر رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلسل نیک کام کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ آج سے ہی کوئی چھوٹا سا اچھا کام چنیں اور روزانہ کریں۔ چھوٹا ہو یا بڑا، مسلسل کرنے سے کامیابی ملے گی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی!

آپ نے اپنے لیے کیا نیا کام سوچا ہمیں بھی بتائیے!!

اپریل 2025ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر اسلام آباد سے ابراہیم عبدالباسط کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

بلاعنوان کا عنوان

اپریل میں میمونہ عظیم کی کہانی بلاعنوان شائع ہوئی تھی، 25 قارئین نے اس کہانی کا عنوان دیا، کراچی سے اسما قمر کا عنوان بہترین قرار پایا، انھیں انعام مبارک ہو، ان کا عنوان تھا: ہدایت کا سفر

اس کے علاوہ ڈی جی خان سے سیدہ ملیکہ، گوجر خان سے زنیرہ احتشام اور اسلام آباد سے فضہ عبید نے بھی اچھا عنوان دیا

سنیے!!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجنا ہوں یا فن پارہ، اپنا نام، عمر، کلاس اسکول/مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں۔ جوابات اور فن پارہ بھیجنے کے لیے ای میل اور وٹس ایپ نمبر نوٹ کر لیں:

tabeer1387@gmail.com

+923351135011

ماہنامہ فہم دین مئی 2025ء کے سوالات

سوال 1: خالہ خیرن کی نواسی کا کیا نام تھا؟

سوال 2: احمد کیا کام کرتا تھا؟

سوال 3: فیصل کے بھائی کا کیا نام تھا؟

سوال 4: ٹومو کون تھا؟

سوال 5: عجلت کے معنی کیا ہیں؟

یہ سوالات اپریل 2025 کے فہم دین سے لیے گئے ہیں۔

جوابات کی آخری تاریخ 15 مئی 2025ء ہے

اپریل 2025ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: عید کے کپڑوں کی وجہ سے

جواب 2: برگت

جواب 3: جمعے کا

جواب 4: رمضان کے آخری دس دن

جواب 5: جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ساتھ

مٹی میں ملادیں گے، تجھے دھول چٹادیں گے

حافظ وسطی چودھری ہندوستانی گیدڑ بھبکیوں کا جواب دے رہی ہیں

تو آنکھ اٹھائے گا؟ ترا سر بھی جھکادیں گے
مٹی میں ملادیں گے، تجھے دھول چٹادیں گے

یوں چھیڑ نہ تو ہم کو، گرجاں یہ پیاری ہے
تیرے لیے کاری، اک ہی ضرب ہماری ہے

اک وار میں ہم ساری ہشیاری بھلادیں گے
مٹی میں ملادیں گے، تجھے دھول چٹادیں گے

جس بل سے آئے گا، کھڑا ہم کو پائے گا
ہم کچلیں گے سر تیرا، تو جب بھی اٹھائے گا

یوں گولی دھمکی سے، بھلا ہم ہیں کہاں ڈرتے؟
ہم پاتے شہادت ہیں، ہم یوں ہی نہیں مرتے

اس کھیل میں تجھ کو ہم ایسے ہی ہرادیں گے
مٹی میں ملادیں گے، تجھے دھول چٹادیں گے

شاطر بڑا دشمن تو، ترے خون میں غداری
نس نس میں ہے جو شامل، عیاری و مکاری

ہم ظلم کی ہر کوشش ناکام بنائیں گے
ہر چال کا ہم وسطی انجام بتائیں گے

تجھے روند کے قدموں میں اوقات دکھادیں گے
مٹی میں ملادیں گے، تجھے دھول چٹادیں گے

ہم سپاہی وطن کے جاں باز ہیں

حافظہ سویرا چودھری پاک وطن کے جاں بازوں کی ترجمانی کرتے ہوئے

ہم سپاہی وطن کے ہیں جاں باز ہیں
باوفا ہیں جری اور دم ساز ہیں

تیرے دعووں کو بزدل نہیں مانتے
اپنے آگے کسی کو نہیں جانتے

دشمنوں کے لیے ہم تو فولاد ہیں
ابنِ قاسم سے چیتے کی اولاد ہیں

روند ڈالیں گے للکار پیروں تلے
سامنے وقت کا سورما ہو بھلے

ہم مجاہد ہیں اور جنگی آواز ہیں
ہم سپاہی وطن کے ہیں جاں باز ہیں

تم میں جرات نہیں تم میں قوت نہیں
ہم سے ٹکرانے کی تم میں ہمت نہیں

باتیں جتنی تمہاری ہیں بے کار ہیں
فوج میں بھرتی سارے اداکار ہیں

ہے دلیری کا تم میں نہ کوئی نشاں
اور بھڑکوں سے چھو لیتے ہو آسماں

پاک فوجی زمانے میں ممتاز ہیں
ہم سپاہی وطن کے ہیں جاں باز ہیں

ہم ہمیشہ سے حق کے لیے ہیں کھڑے
اپنی دھرتی کی خاطر عدو سے لڑے

موت سے ہم تو بالکل بھی ڈرتے نہیں
مر بھی جائیں تو ہم لوگ مرتے نہیں

تم مٹانے کے ہم کو ہو کرتے جتن
ہم کو دنیا کہے گی شہیدِ وطن

ہم سویرا عجب رکھتے انداز ہیں
ہم سپاہی وطن کے ہیں جاں باز ہیں

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابو بکر، عبدالرحمن چترالی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

میرے سخن میں یہی اِک کلام کافی ہے
نبی کی نعت لکھوں بس یہ کام کافی ہے
نہ شہرتیں، نہ ہی اعلیٰ مقام کافی ہے
فقیر کو تو محمد کا نام کافی ہے
بہشت، خُلدِ بریں اور عدن نہ مانگوں میں
مدینے پاک میں تھوڑا قیام کافی ہے
مئے طہور کی لذّت تمہیں مبارک ہو
ہمیں تو بس یہی کوثر کا جام کافی ہے
نبی کی آل کی حرمت پہ جاں لٹانے کو
حضور! آپ کے در کا غلام کافی ہے
جہاد، روزہ، نمازیں، عظیم ہیں، لیکن
میرے حبیب پر بھیجو سلام کافی ہے
تبھی سے عیش جوانی کے ہم نے چھوڑے ہیں
پتا لگا کہ وہاں انتظام کافی ہے
مجھے قبول نہیں عمرِ جاوداں یارب!
نبی کے شہر میں گزرے وہ شام کافی ہے
شہِ اُمم! ترے ثاقبؔ کی ایک حسرت ہے
کہ دیکھ لوں میں ترے در و بام کافی ہے

شاعر: محمد اقبال ثاقبؔ

حمدِ باری تعالیٰ

وہ مالک ہے جہاں بھر کا وہی قسمت بناتا ہے
نصیبوں میں لکھے جس کے اسے در پر بلاتا ہے
وفا لکھ دے جفا لکھ دے جزا لکھ دے سزا لکھ دے
جسے چاہے جہاں چاہے خدا ہی آزماتا ہے
یہاں تقسیم ساری ہی اسی مالک کی ہے لوگو
کہ پتھر میں بھی کیڑے کو وہی رازق کھلاتا ہے
یہ مالک کا کرم ہے سارا مالک کی عطا ہے سب
خدا ہی سب بناتا ہے خدا ہی سب چلاتا ہے
قیادت بھی اسی کی ہے عبادت بھی اسی کی ہے
وہی رہبر بناتا ہے وہی سجدے کراتا ہے
خدا کی جب رضا ہو تب عطا ممکن شفا ممکن
کسی کی بنتی تب ہے جب خدا قدرت دِکھاتا ہے

شاعر: ایم اکرام الحق

جذباتی فائدے

جسمانی و ذہنی فوائد کے ساتھ کھیل سے بہت سے جذباتی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ بچوں کے جذبات کو تعمیری رُخ نصیب ہوتا ہے۔ ان کے جبلّی تقاضوں کی تشکیل ہوتی ہے، ان کے جذبات غلط سمت اختیار نہیں کر پاتے۔ کھیل سے ان کی جذباتی زندگی میں توازن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ بگڑا ہوا اکلوتا بچہ جب کھیل کے میدان میں داخل ہوتا ہے تو اسے جلد ہی یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں دوسرے بچوں کی خواہشیں اور مطالبے بھی اتنے ہی اہم ہیں، جتنے اہم اس کے مطالبات ہیں اور اگر وہ گھر کی طرح غصہ، ضد بدمزاجی اور چڑچڑے پن سے کام لے گا تو کوئی بھی اسے اپنے ساتھ نہیں کھیلنے دے گا، چناں چہ اسے جلد ہی اپنے نرالے انداز کو ترک کر کے باہمی تعاون کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ بعض گھرانوں کا خشک، اکتا دینے والا ماحول بچوں کی جذباتی تربیت پر جو غلط اثر ڈال سکتا ہے، اس کی تلافی بھی کھیل کے ذریعے بہ آسانی ہو سکتی ہے۔ کھیل کے خوش آئند پہلو، بچوں میں افسردہ دلی و احساسِ کم تری کو جڑ نہیں پکڑنے دیتے، بلکہ خوش مزاجی و خود اعتمادی کا سبب بنتے ہیں۔

(مثالی باپ، محمد حنیف عبدالمجید، ص: 140)

اعمال کی درستی قلب کے تابع ہے

اعمال کی درستی قلب کے تابع ہے اور قلب کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو جائے، یہ ہے قلب کی صحت۔ اس کا راستہ سب سے پہلے علم حاصل کرنا، پھر ایسے کاموں سے بچنا جن سے اللہ اور رسول ﷺ ناراض ہوں اور اس کا آسانی سے حاصل ہونا یہ ہے کہ کسی بزرگ کو تلاش کر لو، محنت کرو ایسا آدمی مل جائے، دنیا اللہ والوں سے خالی نہیں ہے۔ تم اپنے جسمانی مرض کے لیے کیسے اچھے سے اچھا طبیب تلاش کرتے ہو اور اللہ والے سے عمل سیکھنے کے دوران ہی تم کو ذکر کی توفیق ہو جائے گی۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے، جس ذکر سے تمہارے قلب کو راحت ملے وہی ذکر پہلے اختیار کر لو۔ اس کو دل قبول جلد کرے گا۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلے پھرتے ایک کلمہ زبان پر جاری رکھو، یہ کر کے دیکھو انقلاب آجائے گا دل میں، مگر ہم تو کرتے ہی نہیں۔ کوئی چیز کتنی پاس یا دور ہو، چلنا ہر شکل میں پڑتا ہے۔ جب قدم ہی نہ اٹھاؤ گے، کیسے ملے گی۔۔۔؟

(سکونِ قلب، مولانا اشرف علی تھانویؒ، ص: 67)

اشعار

ہم سب کی جو دعا تھی اسے سن لیا گیا
پھولوں کی طرح آپ کو بھی چن لیا گیا

منور رانا

اٹھو یہ منظر شب تاب دیکھنے کے لیے
کہ نیند شرط نہیں خواب دیکھنے کے لیے

عرفان صدیقی

جس کو طوفاں سے الجھنے کی ہو عادت محسنؔ
ایسی کشتی سمندر بھی دعا دیتا ہے

محسن نقوی

یاد آتی ہے مجھے اہلِ مدینہ کی وہ بات
زندہ رہنا ہے تو انساں مدینے میں رہے

اعظم چشتی

دیتی ہے قتیلؔ آکسر چہروں کی چمک دھوکہ
ہر کانچ کے ٹکڑے کو ہیرا نہ کہا جائے

قتیل شفائی

آخر وہی پہنچے ہیں اوجِ کمال پر
جو مستقل مزاج رہیں، ایک حال پر

خضر تمیمی

دشمن کے قدم آئیں اگر پاک وطن میں
ہم لوگ سُلا دیں اسے مٹی کے کفن میں

زکی کیفی

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ: یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان یعنی بنو تمیم میں سے تھے۔ ان کا نسب مرّہ بن کعب پر نبی ﷺ سے جاملتا ہے۔ وہ ان آٹھ اصحاب میں سے تھے جو سب پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ اُحد میں جب کفار نے پلٹ کر حملہ کیا اور نبی ﷺ کے آس پاس 7 انصاری جاں نثار شہید ہوگئے تو صرف دو قریشی مہاجر سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما ہی تھے جو کفار کے آگے ڈٹ گئے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے بیسیوں زخم کھائے اور ان کی انگلیاں شہید ہوگئیں، مگر وہ کفار کے آگے دیوار بن گئے۔ اس لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ انھیں "صاحبِ اُحد" کہہ کر پکارتے تھے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ دیگر تمام غزوات میں شریک رہے۔ انھوں نے جنگِ جمل میں ۱۰ جمادی الآخر 36ھ کو 64 برس کی عمر میں شہادت پائی۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کے والد عبید اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا، البتہ ان کی والدہ صاحبہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور طویل عمر پائی۔ مشہور صحابی علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے۔

(اٹلس سیرت، ڈاکٹر شوقی الخلیل، ص: 247)

بچپن کا ایک واقعہ

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بچپن کا یہ واقعہ کئی بار مجلسوں اور مواعظ میں سنایا کہ ایک مرتبہ میں اور میرے رشتہ کے بھائی عاقل صاحب سرکنڈوں سے کھیل رہے تھے۔ بھائی عاقل مجھ سے بڑے تھے، انھوں نے میرے سارے سرکنڈے جیت لیے تو مجھے اتنا شدید غم ہوا کہ آج تک یاد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں، بالکل لُٹ گیا ہوں۔

پھر فرمایا کہ آج وہ واقعہ یاد کر کے ہنسی آتی ہے کہ سرکنڈے جیسی حقیر چیز کی کتنی وقعت و محبت دل میں تھی کہ سرکنڈے جیت لیے تو مالا مال، ہار گئے تو گویا لُٹ گئے۔۔۔ پھر فرمایا کہ آخرت میں بھی ہمارا یہی حال ہوگا کہ جنت کی نعمتوں کے سامنے دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتیں ہیچ نظر آئیں گی اور ہم اپنی اس نادانی پر ہنسا کریں گے کہ بھلا دنیا کی حکومت و اقتدار مال و دولت، جائداد اور ساز و سامان بھی اس قابل چیزیں تھیں کہ ہم ان کو دل میں ذرا بھی جگہ دیتے؟ ہم کیسے نادان تھے کہ ان کے لیے لڑتے جھگڑتے تھے۔

(حیاتِ مفتی اعظم، مفتی رفیع عثمانی صاحب، ص: 26)

بہترین اور بدترین

حضرت لقمان حکیم کے آقا نے ان سے ایک مرتبہ کہا: "بکری ذبح کر کے اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لے آؤ۔" انھوں نے بکری ذبح کی اور اس کے دل و زبان آقا کے پاس لے گئے۔ آقا نے پھر حکم دیا کہ "ایک اور بکری ذبح کر کے اس کے دو بدترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ۔" انھوں نے بکری ذبح کی اور اس مرتبہ بھی اس کے دل و زبان اس کے پاس لے کے گئے۔ آقا نے پوچھا: "میں نے بہترین حصے طلب کیے تو تم یہی لائے۔ بدترین طلب کیے تب بھی یہی لائے۔" حضرت حکیم نے فرمایا: "میرے آقا! دل و زبان اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی اور عضو نہیں ہو سکتا اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں ہو سکتا۔ یہ بہتر رہیں تو بہترین ہیں، بدتر ہو جائیں تو بدترین ہیں۔"

(کتابوں کی درسگاہ میں، ابنِ الحسن عباسی، ص: 71)

یہ سب اسبابِ راحت ہیں

آج کی دنیا نے راحت کے اسباب کا نام راحت رکھا ہوا ہے۔ مال و دولت کا نام، مکان کا نام، گاڑی کا نام راحت رکھا ہوا ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ سب چیزیں راحت کے اسباب تو ہیں، لیکن حقیقی راحت نہیں! حقیقی راحت تو کہیں اور سے عطا ہوتی ہے۔ وہ اگر دینا چاہے تو جھونپڑے میں راحت و آرام عطا فرمادے اور اگر وہ راحت چھیننا چاہے تو بڑے بڑے محلّات کے مکینوں سے چھین لے۔ لہٰذا "برکت" اللہ تعالیٰ کی اس عطا کا نام ہے جو اپنے بندے کو اس طرح عطا فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی چیز سے بہت سے کام بن جاتے ہیں۔

(اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج: 13، ص: 227)

عیدِ قرباں

رپورٹ: خالد معین

بیت السلام لاکھوں مستحقین کی خدمت کے لیے پر عزم

اس سال یعنی 1446ھ/2025ء کی عیدِ قُرباں قریب ہے اور بیت السّلام ویلفیئر ٹرسٹ کی انتظامیہ پوری جاں فشانی اور تن دہی سے وقف اجتماعی قربانی کے انتظامات میں مصروف ہے، تاکہ ملک بھر میں لاکھوں مستحق افراد تک گوشت پہنچایا جاسکے۔ بیت السّلام گزشتہ ڈیڑھ دہائی سے ہر سال پورے اہتمام سے وقف اجتماعی قربانی کا اہتمام کرتا ہے۔ سارا مشن جید علمائے کرام کی نگرانی جفاکش اور محنتی رضاکاروں کی بے لوث خدمت کے پیشِ نظر منظّم طریقے سے انجام پاتا ہے، ملک بھر میں بیسیوں مراکز قائم کیے جاتے ہیں۔ گائے، بکرے اور دنبے میں اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ درجے کے جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔ لوگوں کی مالی حالت اور جذبۂ خدمت کے ساتھ مالی گنجائش اور وسعت کے مطابق مختلف درجے کے حصے مقرر کیے جاتے ہیں۔ سینکڑوں رضاکار عید سے پہلے بروقت انتظامات کی تکمیل میں مشغول ہوتے ہیں اور عید کے تینوں دن اپنے گھر بار، دوست احباب، ذاتی ملنے ملانے اور تعلقات کی قربانی دیتے ہیں۔ گزشتہ سالوں میں شدید بارشوں کے باوجود کہیں بھی یہ مشن رکا نہ کم زور پڑا، یقیناً یہ سب اللہ کی عنایت اور فضل سے ہوتا ہے۔ اِس سال یعنی 2025ء میں عیدِ قرباں پر شدید گرمی ہوگی، لیکن ہزاروں اہلِ خیر کے اعتماد اور بھروسے پر پورا اترنے کا مشن، خدمت کے جذبے کا مشن رضاکاروں کو تھکنے نہیں دیتا اور مسلسل متحرک رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ محنت و مساعی قبول فرمائے۔ آمین

بیت السلام موبائل ایپ

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

- قبلہ ڈائریکشن
- ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
- آن لائن ڈونیشن
- زکوٰۃ کیلکولیٹر
- لائیو اور ریکارڈ بیانات
- روزمرہ کی دعائیں
- قرآن کریم
- نماز ٹائمنگ

J.
FRAGRANCES

JANAN

SPORT

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J. Fragrances & Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed